



پاکستان داماں

عالیہ بخاری

وطن واپسی کا ارادہ اچانک ہی نہیں ہوا تھا یہ خواہش پچھلے چند سالوں میں قسط در قسط سلطانہ کے دل میں جمع ہوئی تھی اور نہ اس سے پہلے ایک طویل ترین حصہ دیار غیر میں گزارتے ہوئے پاکستان سے اس کی دلچسپی اپنے سالانہ دورے کے موقع پر ہی نمایاں ہوئی تھی جس کی تیاری وہ کئی ماہ پیشتر ہی شروع کر لیتی تھی۔ اپنے اور بچوں کے لمبوسات رشتے داروں اور ملنے والوں کے لیے تحائف اور پھر پاکستان سے خریدی جانے والی اشیاء کی فہرست وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے ہی ضروری کام وہ بڑی خوشی اور دل جمعی سے نشتانی۔ پاکستان میں اس کا استقبال وی آئی پی کے طور پر کیا جاتا تھا میکا اور سسرال دونوں ہی ماشاء اللہ بھرے

پڑے تھے مہینہ ڈیڑھ مہینہ جیسے چٹکیوں میں گزر جاتا تھا۔ ملنا ملنا کوئی نہیں کوئی نہ کوئی تقریب بھی عموماً اس کی آمد پر نشتانی جاتی تھی۔

سلطانہ کو اپنے کپڑوں اور زپور کی نمائش کے ایک چھوڑی مواقع مل جاتے تھے دونوں بیٹیاں اور بیٹا بھی اپنی بہترین صحت اور اپورٹڈ کپڑوں کی وجہ سے دیگر بچوں میں ممتاز دکھائی دیتے تھے کوئی اور کہے نہ کہے مگر وہ خود ہی موازنہ کیے جاتی۔ اپنا خاندان کی دوسری عورتوں سے اپنے بچوں کا دوسرے بچوں سے اور اپنے دینی والے اپارٹمنٹ کا دوسروں کے گھروں سے۔ تیوں جیسے اسی کا پلڑا بھاری رہتا سارا خاندان اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتا اور اس کے میاں جمال کی دانشمندی کو



سراپتا جو کتنے مناسب وقت پر یہاں کی جج جج سے نکل کر دہلی جا پہنچا تھا۔

سلطانہ اس قسم کے تہرے سن کر پھولی نہیں سماتی، جمال کی اس دانشمندی کا سہرا خود اس کے سر بھی بندھتا تھا۔ وہ بھی جس نے جمال کے رستائزانی کی ہر کوشش کو بڑی سمجھ بوجھ سے ناکام بنایا تھا اور نہ اس کی شادی کے پانچ سات سالوں میں ہی پہلے جمال کے ابا کی وفات اور پھر اس کے کچھ سال بعد جمال کی اماں پر قانع کے ایک بیک وقت سلطانہ کے لیے خاصا نازک ثابت ہوا تھا۔

”پہنچے تو پھر بھی کمایا جاسکتا ہے سلطانہ مگر ماں باپ واپس نہیں ملتے ہیں اس وقت انہیں خدمت کی ضرورت ہے۔ اماں اپنے سارے بچوں میں سب سے زیادہ مجھ سے ہی پیار کرتی ہیں۔“ جمال ان دنوں بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔

”تو خدمت تو آپ یہاں بیٹھ کر بھی کر سکتے ہیں“ جتنا چاہے وہ چاہے، کمال بھائی کو تا کہ وہ اماں کا اچھے سے اچھا علاج کر سکیں۔ ”کمال احمد“ جمال کے بڑے بھائی تھے، گورنمنٹ کے کسی شعبے میں سینئر کلرک تھے۔

کثیر العیال چار بیٹیاں اور دو بیٹے۔ ”خدمت بھی غنیمت پیسے کے ممکن نہیں ہے جمال“ اب کمال بھائی بے چارے کو کوشش کریں اماں کا علاج پہ مشکل سرکاری اسپتال میں ہی کر سکتے ہیں اور اماں کو اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اچھے علاج کی ہے جو بیویوں سے ہی میسر آسکتا ہے باقی رہی وہاں جانے کی بات تو جب بھی آسانی سے چھٹی مل سکے آپ پاکستان جاسکتے ہیں میں بھی چکر لگاتی رہوں گی۔“ بڑے رومان سے وہ جمال کو اٹھ بیٹھے سمجھاتی۔ جمال کیوں نہ سمجھتا جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھی اسے ایک لفظ بھی غلط نہیں لگا۔

اماں کی خدمت ان کے سر ہانے بیٹھ کر وقت پر دوڑا پلا دینے سے رات رات بھر جاگ کر اور ان کی بھی سی گراہ پر سے تانی سے جی اماں کہہ دینے سے نہیں ہو سکتی تھی یہ کام تو کمال بھائی اور ان کے بیوی بچے کر ہی رہے

تھے، اصل خدمت تو اس کے پیچھے ہوئے پیسے کر رہے تھے۔

”مریض کو امینڈ کرنا کون سی بڑی بات ہے دن اور رات کے لیے دو نرسوں کا انتظام کر دینا وہ زیادہ بہتر طریقے سے اماں کی دیکھ بھال کر سکیں گی۔“ سارے خاندان میں کمال بھائی اور ان کی بیوی کی واہ واہ کن کر اچھی طرح اپنا دل جلا لینے کے بعد سلطانہ نے جمال کو یہ مشورہ بھی دیا تھا مگر خلاف عادت کمال بھی اڑ گئے۔

”اماں کی خدمت کے لیے ہم لوگ بہت ہیں“ یہاں کی نرس درس کی ضرورت نہیں ہے اللہ تمہیں بہت نوازے جمال جو تم اماں کے لیے اٹا کر رہے ہو مگر میرے بھائی میرا دل نہیں لانتا کہ اماں کو دوسروں کے سپرد کر دوں۔“ اپنی بات کے اختتام پر وہ اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا کہ جمال کو پھر اپنی بات دہرانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ سلطانہ اچھا خاصا تملکاتی بھی۔ عموماً اس کی بات روئیں ہوتی تھی مگر جمال اس بات کو ٹال ہی گیا۔

”میں کمال بھائی کا دل توڑنا نہیں چاہتا جیسے وہ مناسب سمجھیں۔“ جمال نے خود اپنے منہ سے تو نہیں کہا تھا مگر سلطانہ کو ادھر ادھر سے چا چلی ہی گیا تھا کہ جمال اور کمال بھائی کے جج والی تینوں بہنیں بھی کمال بھائی کی ہی ہم نو ہیں اور انہوں نے جمال کی اچھی خاصی خبر بھی لی ہے ایسی انوکھی بات کرنے پر۔ سلطانہ پورے خاندان میں کسی سے طہرائی تھی تو جمال کی ان ہی تین بہنوں سے غضب کا ایک تھا تینوں میں اس کے خلاف۔ جتنے دن بھی وہ پاکستان میں رہتی سب سے زیادہ خوش اخلاقی ان ہی سے برتی مگر وہ نہ تو اس کے لئے ہونے تھے تھانف سے مرعوب ہوتیں اور نہ ہی اس کے حسن اخلاق سے۔

”ابا کا بھی آخری وقت میں تم مت نہیں دیکھ سکے تھے اب اماں بھی اس حال میں ہیں کہ کچھ بھر دوسماں یہ رشتے پھر نہیں ملتے جمال۔“ اماں کے لیے نرس رکھنے کی تجویز رد کر دینے کے بعد جمال کی کھلی بہن نے بہت جلد کر کہا تو وہ بہت شرمندہ سا ہو کر بولا تھا۔

”دہلی کون سا دور ہے ثروت باجی یہ رکھا بالکل قریب“ میں جلدی جلدی آتا رہوں گا اماں کو دیکھنے کے لیے۔“

فصلوں کا کیا ہے، کبھی تو چھوٹے سے چھوٹا قافلہ بھی طے نہیں ہوتا ہے۔ ”ثروت باجی ایک خنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ سلطانہ نے اپنے دل کی بھڑاس اپنی بہنوں کے سامنے نکالی۔

”اصل میں تو ہماری خوشحالی سے جلتی ہیں تینوں ہم بھی آکر ان کے اسی پرانے وقتوں والے مکان میں رہنے لگیں جس کی دیواروں سے مستقل ہی چونا چھڑتا رہتا ہے تو سب کو چین پڑ جائے گا اب بتاؤ بھلا اماں کی تو صفی ہے حد سے حد تک وقت اور نکال لیں گی سال چھ مہینے آتے رہیں جمال انہیں دیکھنے کے لیے ہم نے کون سا رخ کیا ہے انہیں۔“

بہت لطیف کے ساتھ کیا اس کا سارا تجربہ اور چٹن گوئی بالکل ہی غلط ثابت ہوئی۔ اماں قانع کے انیک کے بعد بھی سارے چھ سال زندہ رہیں محض اپنے چنگ تک محدود اور جمال اس تمام تر عرصے میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود صرف پانچ بار ہی کراچی آسکا۔ تین بار ایک ایک دفعہ کے لیے اور دو بار محض پانچ دن کے لیے۔ جب اماں کا انتقال ہوا تو جمال کو ان سے ملے پورا سو سال گزر چکا تھا۔ گیارہ دن وہ اسپتال میں رہیں اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی ان ساڑھے چھ سالوں میں وہ کئی بار اسپتال میں رہی تھیں، کچھ نہ کچھ پیچیدگی ہوتی جاتی تھی چند دن رہ کر واپس آ جاتی تھیں۔ اس بار بھی کچھ ایسا ہی گمان تھا۔ جمال اور سلطانہ بہت ذمے داری کے ساتھ کئی کئی فون کر کے ان کی خیریت معلوم کرتے رہے۔ ان کے انتقال کی خبر آنے سے صرف دو گھنٹے پہلے بھی جب جمال کی بڑی بہن خیریت بتاتے تھے ایک دم ہی رونے لگی تھیں تو جمال انہیں دلاسا دیتے گیا تھا۔

”کچھ بھی نہیں ہوگا اماں کو دیکھ لیجئے گا، کل برسوں تک ٹھیک ہو کر کچھ بھی آجائیں گی اسپتال تو وہ آتی ہی رہتی ہیں۔“ ایسے کئی کئی الفاظ اور لہجہ اس نے اپنی

میں اور میری زندگی

میں اور میری زندگی

دریا کناروں کی طرح

ہیں ساتھ بھر بھی دور ہیں

باہم دگر مجبور ہیں

ملنے کی خواہش ہے بہت

لیکن ہے طوفاں درمیاں

رہبر نہ کوئی رازداں

بہتے چلے جاتے ہیں ہم

منزل نہ کوئی کارواں

کوئی نہیں جو ساتھ دے

کیوں اس قدر مجبور ہوں

کیوں زندگی سے دور ہوں

کیوں اس قدر تنہا ہوں میں

اک دھند ہے چھائی ہوئی

کچھ بھی نظر آتا نہیں

ڈھونڈوں کے

جاؤں کدھر

کوئی نہیں ہے ہمسفر

میں اور میری زندگی

دریا کناروں کی طرح

کلام: یحییٰ احمد

بیوی سے ہی مستعار لیا تھا۔ گزشتہ کئی سالوں میں اس کے بولنے، سوچنے اور چلنے کرنے کا انداز ہو بہو سلطانہ جیسا ہی ہو چکا تھا۔ صرف دو گھنٹے بعد ہی اماں کے انتقال کی خبر کمال بھائی نے بچکیوں کے ساتھ روٹے ہوئے اسے سنائی۔ بعد کا ہنگامہ، ٹکٹوں کے لیے بھاگ دوڑ، میت کو تدفین کے لیے رکوادینا، صرف ان لوگوں کے اپنے لیے اہم تھا اور نہ وہاں شاید کسی کو ایسا خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ لوگوں سے کھینچ بھرے اس بچوٹے سے گھر میں سلطانہ نے نہ جانے کتنی رشتے دار خواتین کو خاص طور پر یہ ضروری بات سنائی کہ اس اچکا چکا حادثے

میں اور میری زندگی
دریا کناروں کی طرح
ہیں ساتھ بھر بھی دور ہیں
باہم دگر مجبور ہیں
ملنے کی خواہش ہے بہت
لیکن ہے طوفاں درمیاں
رہبر نہ کوئی رازداں
بہتے چلے جاتے ہیں ہم
منزل نہ کوئی کارواں
کوئی نہیں جو ساتھ دے
کیوں اس قدر مجبور ہوں
کیوں زندگی سے دور ہوں
کیوں اس قدر تنہا ہوں میں
اک دھند ہے چھائی ہوئی
کچھ بھی نظر آتا نہیں
ڈھونڈوں کے
جاؤں کدھر
کوئی نہیں ہے ہمسفر
میں اور میری زندگی
دریا کناروں کی طرح

پروہ لوگ کتنی مشکوں سے نکلنے کا انتظام کر پائے ہیں۔
”اکیلے جمال کا آنا تو آسان تھا مگر میں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا کہ سچے دادی کی آخری بار شکل نہ دیکھیں۔“
مگر یہاں محبت کے اس عملی مظاہرے پر کوئی بھی متاثر ہوتا دکھائی نہیں دے رہا تھا! الٹا دے دے الفاظ میں یہ کہا گیا۔

”کیا تھا جو چند دن پہلے ہی آجاتے کم از کم اماں جمال کو دیکھ ہی لیتیں جس کا انہیں آخری وقت تک انتظار رہا۔“ اماں کی صرف ٹانگیں بے کار ہوئی تھیں، یادداشت زبان آگھیں آخری وقت تک ان کے ساتھ ہی تھیں! شاید ان کے انتظار کو تکلیف دہ بنانے کے لیے۔ سلطانہ نے ان سب باتوں کا بہت برا مانا جو کوئی نہیں اور جو وہ شخص اپنی عقل کے بل پر بھی نہیں۔ خاص طور پر انیسویں کے لیے آنے والی عورتوں کا جمال کی بہنوں اور کمال بھائی کی بیوی سے کھلے دل کر دنا اسے بے حد کھلا تھا وہ بری طرح نظر انداز ہوئی تھی۔ اپنی موازنہ کرتے رہنے کی عادت کی بنا پر اس نے چھوٹے چھوٹے کئی ایسے واقعات اور شکایات جمع کر لی تھیں جن کی شاید بالکل بھی اہمیت نہیں تھی مگر اس کے لیے تکلیف دہ تھی۔ اسی جھنجھلاہٹ اور بوکھلاہٹ میں سلطانہ کو اپنی اور جمال کی حیثیت کو نمایاں کرنے کے لیے بڑی تھک دود کرنا پڑی۔

اماں کے سوم اور دوسویں کی نیاز اس شاندار طور ہوئی کہ سب ہی دیکھا کیے مگر پھر بھی اس بار پلڑا کمال بھائی اور ان کی بیوی یا سہیل کا ہی ہماری رہا۔ پاکستان میں گزرنے والے یہ پندرہ دن پہلی بار سلطانہ پر گراں گزرتے تھے۔

کمال بھائی اور یا سہیل بھائی خاندان بھر میں عزت و مرتبے میں اس سے اور جمال سے کہیں آگے تھے خاندان کی عورتیں بظاہر اس سے کتنی بھی اچھی طرح ملتیں، مرموع نگاہوں سے اس انوسناک موقع پر بھی اس کے ساتھ مگر جتنی لباس کو دیکھیں مگر پھر بڑی اپنائیت اور بے تکلفی کے ساتھ یا سہیل کے پاس ہی جا پہنچتیں جو یا تو چوڑے کے آگے بیٹھی ہوتیں یا پھر یوں ہی گھر کے کسی

کام میں سرگرداں کاشن کے سستے سے دھلے دھلائے سوٹ میں بلبوس جمال کی تینوں بہنیں بھی ان ہی کے مشورے کی قدم قدم پر متوجہ رہتیں۔
”ہمارے لیے تو بڑی بھائی کی وہی عزت اور مرتبہ ہے جو اماں کا تھا اب اس گھر کی وہی سربراہ ہیں۔“ سلطانہ نے اپنی ایک نند کو خود کسی سے کہتے ہوئے سنا تھا جس میں لفظ گھر اسے سب سے زیادہ چھپا تھا۔

”مگر میں تو دونوں بھائیوں کا حصہ ہے۔ یہ تو جمال کی نیکی ہے کہ وہ اپنے بھائی کا خیال کر کے حصہ نہیں مانگ رہے ہیں ورنہ پیسے کی ضرورت آج کل کے نہیں ہے جمال کا بڑس تو دے دیے بھی کچھ کمزور پڑ رہا ہے مگر کیا کر سکتے ہیں۔“ سلطانہ نے کہا تو جانے کس سے تھا کہ سارا قصہ کھوتا کھوتا کمال بھائی تک پہنچ کر رہا۔

اماں کے انتقال کے ٹھیک پانچ ماہ بعد اسے اور جمال کو گھر تک جانے کی بھی اطلاع مل گئی اور جمال کے حصے کی رقم اس کے بینک اکاؤنٹ میں جمع کرادی گئی خبر بھی گھر کی حالت بھی اچھی نہیں رہی تھی اور تھا بھی پرانے محلے میں حصے میں آئی رقم اتنی نہیں تھی کہ کمال بھائی کوئی دوسرا گھر خرید پاتے سودہ اسی محلے میں ایک چھوٹا سا گھر کرائے پر لے کر رہنے لگے۔ جمال بہنوں کے شرمندہ رہا۔ اس کی بہنوں نے بلا کسی لحاظ و مروت کے اسے صاف صاف بتایا تھا کہ سلطانہ یہاں کیا کچھ کر گئی ہے۔ پہلی بار وہ سلطانہ سے بدلے ہوا گھر میں کچھ دنوں کے لیے۔ اس کے آنسو، تسمیں یقین دہانیاں وہ بیوی کی نظر سے خاندان اور رشتوں کو دیکھنے کا اس قدر عادی ہو چکا تھا کہ سب کچھ بہت جلد ہی بھول جمال گیا مگر سلطانہ بھی کچھ نہ بھول سکی اس کی جمع جتن میں ہر سال خریدے جانے والے سونے کے زیورات، سونیک شعلیت اور پرائز بانڈز وغیرہ وغیرہ کے ساتھ چھوٹے بڑے ان گنت گلے شکوے، تنکیاں اور بہت سنبھال کر رکھا ہوا کینہ بھی شامل رہتا۔

کمال بھائی کی دو بیٹیاں بڑی تھیں اماں کے انتقال کے سال ڈیڑھ سال بعد ہی انہوں نے اسی کرائے کے گھر سے ان دونوں کی ایک ساتھ ہی شادی کر دی تھی۔

اماں کے انتقال کے بعد سے جمال نے کبھی ایک بیہ بھی پاکستان بھیجنا ضروری نہیں سمجھا تھا مگر اس موقع پر اس نے کمال بھائی سے پوچھ لینا ضروری خیال کیا تو انہوں نے بہت جتنی کے ساتھ منع کر دیا۔

”تم لوگ شریک ہونے کے لیے آؤ گے تو یہی بہت ہوگا ہمارے لیے۔“ شادی کی تقریب بھر دوخوئی انجام پائی۔ کمال بھائی نے ہر کام حسب استطاعت کیا، کوئی دکھاؤ، کوئی ٹینشن نہیں لڑنے کے بھی متوسط گھرانوں کے تھے، ایک کا چھوٹا سا جزل اسٹور تھا اور دوسرا ہائی اسکول میں پڑھا رہا تھا۔

”خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ شریف اور عزت دار لوگ مل گئے میری بچیاں میرا دھڑکے ساتھ رہنا جانتی ہیں۔“ جمال نے سلطانہ کے بار بار کہنے پر دلی زبان میں ان سے کہہ دیا تھا کہ لڑکیوں کے لیے زیادہ بہتر رشتے بھی دھوڑے جاسکتے ہیں۔ یہ اسی کا جواب تھا۔ سلطانہ اور جمال تھوڑا سا نرم اتنا کر واپس اپنی دنیا میں چلے آئے۔

”نیکی برا دگناہ لازم! ہم تو اپنا سمجھ کر کچھ کہہ دیتے تھے اب وہ بھی نہیں کہا کریں گے۔“ دونوں میاں بیوی یہ بات اکثر دہراتے۔

وٹن واپسی کا باب اماں کی وفات کے بعد خود بخود ہی بند ہو چکا تھا۔ جمال کی وہ تینوں بہنیں جن کے بارے میں سلطانہ کی رائے بھی نہیں بدل سکی تھیں ان تک نے پھر بھی اشارہ بھی جمال سے واپس پاکستان آنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ سلطانہ اور بچوں کے تو جلدی جلدی چکر لگ جاتے تھے مگر جمال کی کاروباری مصروفیت بہت بڑھ چکی تھی وہ بہت کم ہی آ پاتا، بھائی بہنوں سے رابطہ اتنا کم ہو چکا تھا کہ اسے خود بھی اندازہ نہیں رہا تھا۔ وقت تھا کہ کسی سرپٹ کھوڑے کی طرح دوڑتا ہی چلا گیا۔ وہ بچے جو ابھی کندھے تک آ رہے تھے اسنے اچھے نکل گئے کہ ان کی طرف دیکھنے کے لیے خود ٹٹا اوپر اٹھائی پڑتی تھی۔ سلطانہ کے لیے ”تبدیلی قلب“ کا یہ سلسلہ ان ہی دنوں شروع ہوا تھا۔ پہلے پہل تو خود اس کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہر بار پاکستان

جا کر اسے پہلے کی طرح وہ اندرونی خوشی اور گہرے خود کا احساس کیوں نہیں ہو رہا جو اس کی ساری تھک و دود کا حامل ہوا کرتا تھا۔ الٹا اب محبت سی بے کلی دل کو گھیرتی محسوس ہوتی، جو کبھی کبھی اپنی زیادہ بڑھ جاتی کہ واپس دئی آ کر بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ وہ سنے سے گھر کی آرائش کرتی، نئے زیور اور کپڑے خریدتی، ہر وہ کام کرتی جس سے اس دل توڑنی کیفیت کا ازالہ ہو سکے مگر دھیان بنانے کے سارے سنے ایک دم ٹپل ہو چکے تھے۔

جمال کو جب فرصت ملتی شورے دیے جاتا، ”کوئی کام کرو۔“

”شٹل!“ اسے کچھ کام دیندے بند لگی۔
”کسی اسکول میں پڑھانے لگو، گرجویشن تو کیا ہوا ہے آخر تم نے۔“

”ونہ۔۔۔۔۔!“ سلطانہ کا سر مایوسی سے ٹپ میں ہلا۔ یہ اس کے بس کا روگ تھا بھی نہیں، اول تو اسنے سال میاں رہ کر بھی وہ انگریزی سے اتنی ہی گھبراتی تھی جتنی بی بی میں تھیں بار اس مضمون میں کمپارمنٹ آ جانے پر! دوسرا مسئلہ تن آسانی کا تھا، اتنا سو رہے اٹھنا بذات خود یہ سب سے بڑی دقت تھی اور پھر سارا دن بچوں کے ساتھ مغز ماری کرنا۔

”نہ پائندہ۔۔۔۔۔!“ اس نے کبھی اپنے بچوں کو خود اس وقت بھی نہیں پڑھا یا تھا جب وہ چھوٹے تھے۔
”آئیڈیا!“ جمال نے چکی بھائی۔ اس بار اسے واقعی ایسا کام یاد آیا تھا جو سلطانہ کے لیے بے حد محسوس اسبل تھا۔

”جلدی بتاؤ۔“ سلطانہ اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ گئی۔ جمال منصوبہ ساز بہتر نہیں تھا یہ تو بہر حال وہ بھی مانتی تھی ایسے ہی تو کہیں اس نے اپنے چھوٹے سے کاروبار کو اس بے حد تجارتی شہر میں اتنی ترقی دے لی تھی جہاں قدم قدم پر بے حد مقابلہ تھا۔

”تم ایسا کرو ایک بوتیک کھول لو، خواتین کے کپڑوں میں تمہاری دلچسپی بھی ہے اور تاریخ بھی، نہیں سے نہیں پیچھا دو کی چند ہی دنوں میں بڑس کو۔“ اس بار

سلطانہ سے فوری جواب بھی نہیں بن پڑا اپنی جن خامیوں کو وہ بڑی مہارت سے چھپائے رکھتی تھی ان پر سے پردہ ہٹانا اسے بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ جمال پر کپڑوں کے متعلق جو اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی وہ محض اس کی بے دریغی کی گئی خریداری کی بنا پر ہی ممکن ہو پائی تھی۔ ایک ساتھ خریدے گئے دس جوڑوں میں چند ایک واقعی اچھے نکل آتے تھے مگر بوتیک کا چلانا ایک ٹیڑھی کھیر تھا اس خالصتاً تخلیقی کام کے لیے جن صلاحیتوں کا ہونا ضروری تھا وہ اگر کبھی بھی تو کب کا رنگ لگ چکا تھا۔ دوسروں کے ڈیزائن کیے ہوئے کپڑوں کو وہ فخریہ طور پر اپنی کڑی انٹین قرار دیتے ہوئے کسی بھی نہیں شرمائی تھی مگر اب خود بڑا رنگ اور کٹر کوششیں پر دماغ لڑانے کا سوچ کر ہی اسے اختلاف سا ہونے لگا تھا۔

”میرا بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے جمال بوتیک کا چلانا بہت زیادہ محنت طلب کام ہے ایک سوٹ کی ڈیزائننگ ہی اتنا وقت لے گی کہ۔۔۔“

”مگر تو بہت ماسٹر ہو تمہارے لیے کب مشکل ہوگا یہ سب۔“ جمال کو تھوڑی سی حیرت ہونے لگی تو وہ جھنجھلائی۔

”کھد دیا نا نہیں ہوتا مجھ سے یہ سب کچھ میں بہت پریشان رہنے لگی ہوں جمال تم آخر میرا مسئلہ سمجھ کیوں نہیں رہے۔“

”تمہارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے سلطانہ کہ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے دماغ کو فرصت ہی فرصت ہے سو بے چارہ پریشان ہو کیوں۔“ جمال کو دیر ہو رہی تھی سو وہ جھڑپا ہوا کھڑکڑا ہوا۔

”ہم پاکستان شفٹ ہو جائیں جمال۔“ اچانک ہی اس کی زبان پر وہ بات آئی جو بھی ان دونوں نے سوچی تک نہیں تھی۔

”کیا۔۔۔؟“ جمال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر بے ساختہ ہی ہنسا چلا گیا۔ سلطانہ نے بہت محنت کے ساتھ اس کی ہنسی ختم ہونے کا انتظار کیا۔

”دو مہینے اب علاج کی ضرورت ہے کسی اچھے

سائیکا فرسٹ سے ٹائم لے لیتا ہوں ورنہ یہ کیفیت اور بڑھے گی۔“ جمال کے چہرے پر مذاق اڑائی تھی مسکراہٹ تھی مگر سلطانہ نے بالکل بھی برا نہیں منایا پھر یہ بحث روز کے معمول کا حصہ بن گئی سلطانہ کی سمجھ میں آچکا تھا کہ وہ ہر بار پاکستان سے واپسی پر اتنی زیادہ اپ سیٹ کیوں رہنے لگی ہے۔ جو وقت وہاں وطن میں پر لگا کر اڑتا تھا یہاں اس کے پُر آسائش آپارٹمنٹ میں کالے نہیں کھتا تھا۔ اپنے چاروں طرف آسائشوں کا انبار کھڑا کر لینے کے بعد اسے ان سب پر رشک آنے لگا تھا جو وہاں پاکستان میں ہی رہ رہے تھے۔

”جنگل میں مورنا چا کس نے دیکھا۔“ ایک بار اس نے وطن سے واپسی پر جمال سے کہا جب اس کی اپنی بڑی بہن نے جاکھ خریدنے کی خوشی میں سارے خاندان کی دعوت کی تھی۔

”سارے خاندان میں آپا کی واہ واہ ہو رہی ہے حالانکہ ایسا کوئی خاص بھی نہیں ہے ہمارے اس گھر کی ڈیکوریشن دیکھیں تو لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں۔ میں نے تو سوچ لیا ہے کہ اب میں تو بچوں کو لے کر پاکستان میں ہی رہوں گی تم بے شک کچھ سال اور یہاں رک جاؤ۔“ جمال کی اسے سمجھانے کی ساری کوششیں بس یوں ہی سی ثابت ہو رہی تھیں اور سلطانہ نے جو ٹھٹھا تھا وہی ہو کر رہا۔ جمال رضا مند ہو ہی گیا۔

الہال سلطانہ اور دونوں بیٹیاں کراچی شفٹ ہوں گی اور کچھ عرصہ گزرنے کے بعد بادل نا خواستہ وہ بھی۔

برنس کو ایک دن میں وائنڈ اپ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا یہ بات سلطانہ بھی سمجھتی تھی اس کا بیٹا شریل باپ کے پاس رکنا چاہتا تھا۔ خود سلطانہ اور جمال کو بھی اس کی بہتری اسی میں نظر آ رہی تھی کہ وہ برنس میں ہاتھ بٹانا شروع کر دے۔ مشکل اولیوں پاس کرنے کے بعد وہ آگے بڑھنے کے لیے یوں بھی رضامند نہیں تھا۔ کھلا چپ اور ناقص تربیت نے اس سے زندگی میں آگے بڑھنے کی صلاحیت بالکل ہی چھین لی تھی۔

”کیا کرنا ہے مجھے آگے بڑھ کر سب کچھ تو ہے میرے پاس زیادہ سے زیادہ ابو کا برنس سنبھال لوں گا

سو اس کے لیے تو اتنی پڑھائی بھی کافی ہے۔“ سلطانہ اس کی محدود سوچ کو حقیقت پسندی کا نام دے کر بڑے فخر سے اس کے خیالات کو سب کے سامنے دہرائی رہتی۔

درمیان فیصلہ کرنے میں لگی تھی بانی کے مراحل ایک کے بعد ایک طے ہوتے ہی چلے گئے۔

”جاننا دی آسان ہے باتیں کرتی قیمتوں کے باوجود سلطانہ ویسا ہی گھر خریدنے میں کامیاب ہو گئی جیسا کہ اس نے چاہا تھا۔ جمال کو اپنے چند بڑی تک و دو کے بعد بنائے ہوئے اثاثوں کو فروخت کرنا پڑا تھا۔

”اچھی طرح سوچ لو سلطانہ ہمارے ادور سب سے بڑی ذمے داری بیٹیوں کی شادی کی ہے کل کو کہیں اس کام میں مشکل نہ ہو جائے۔“ جمال اسے اب سمجھانے چلا تھا جب وقت گزر چکا تھا۔

”یہ سب میں ان ہی دونوں کے لیے کر رہی ہوں انداز اور ردائوں کے پاکستان میں رہوں گی تو اچھے رشتے ملنا آسان ہوں گے۔ لوگ بہت ایشیاس کا نقشہ ہو گئے ہیں جمال تم دیکھنا ہم جو کچھ بھی اس وقت خرچ کر رہے ہیں اس کا ہماری بیٹیوں کو کتنا فائدہ ہوگا۔“ سلطانہ کی دانشمندی کو کثافت ہونے کے لیے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اس کا کہا ہر لفظ بذات خود سندا کا درجہ رکھتا تھا۔

تھا۔ تحکم ہار کر جمال کو وہی سب کچھ کرنا پڑتا تھا جو سلطانہ کے حسب مرضی ہوتا تھا۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا۔ اسے عرصے کی جمع جوت کار دار میں مندی کا خدشہ سب ہی کچھ اسے سلطانہ کی سمجھداری کی نظر کرنا پڑا۔

گھر کی خریداری اور پھر سجاوٹ پر بہت بڑی رقم خرچ ہوئی۔ جمال کو کچھ اپنی سیونگ کچھ اثاثوں کی فروخت کے بعد بھی کاروبار میں سے روپیہ نکالنا پڑا اور گھر کی سجاوٹ میں حسب مشا خریداری کے لیے سلطانہ کو کھینکنا بار اپنے زیورات میں سے کچھ کو فروخت کرنا پڑا۔ اس سارے معاملے میں اس کے لیے افسوسناک

ہی یہی ایک بات تھی کیونکہ زیورات اس کی بڑی کمزوری تھیں۔

”خیر! ہم جائیں گے اور جمال بہر حال دل کا بہت پی ہے پھر کون سے سارے ختم ہو گئے ہیں ابھی بھی

خاندان میں کوئی میرے پارٹنگ نہیں ہے۔“ اس نے خود اپنے آپ کو بارہا سلی دی تھی۔ دینی جیسے جدید ترین شہر میں رہتے ہوئے سلطانہ کے ظاہری روپ کے ساتھ ساتھ خیالات بھی کافی حد تک جدید ہو چکے تھے دوسری قوموں کے کئی گہرائیوں سے اچھے مراسم قائم ہو چکے تھے بچوں کی دوستیاں اور بھی زیادہ تھیں آئے دن کے فنکشنز۔ سب ہی کے تہوار بڑی فراخ دلی کے ساتھ منائے جاتے ایک فنکشن جو سب میں ہی کامن تھا وہ تھا ”ہاؤس وارمنگ پارٹی“ سلطانہ نے جمال اور بچوں کے ساتھ ایسی کئی ہاؤس وارمنگ پارٹیوں میں شرکت کی تھی اور خود بھی دینی تھی۔ وہاں کی پارٹیاں بہت طے گئے والی ہوتی تھیں۔ مختلف پچر سے نقش رکھنے والے لوگوں کی موجودگی میں بہت سی چھوٹ خود بخود ہی لازمی ہو جاتی تھی۔ یہاں کراچی میں بھی ایسی پارٹیز کی کمی نہیں ہو

گئی تھی یہاں سارا کار سارا خاندان دینی روایتی دقتا تو سی! دینی جیسی تقریب یہاں ممکن نہیں تھی۔ سلطانہ کا سارا گھر انا ہے حد بھر جوش ہو رہا تھا۔ بہت سوچ کر اس نے تقریب کو ”شرف بہ اسلام“ کر ہی لیا۔ پہلے دن شاندار سی تحفیل میلاد جس میں چند ایک معروف نعت خواں بھی خاص طور پر مدعو کیے گئے تھے اور پھر اسی ہفتے کے اختتام پر ایک گرائڈ میوزیکل فنکشن منعقد کیا گیا

دونوں مواقع پر کھانوں کی ایک سے ایک اقسام موجود تھیں۔ گھر کی وسیع صحبت پر کی گئی خوبصورت ڈیکوریشن کے ساتھ ہونے والی پارٹی میں سلطانہ بہت خوش تھی۔

تینوں نندوں اور ان کی سسرالوں کمال بھائی کا یسین بھائی ان کی دونوں بڑی شادی شدہ بیٹیوں کے ساتھ کمال بھائی کے بانی چار بچے بھی شریک تھے۔ ان کے دونوں بیٹے فراز اور بابر اور ان دونوں سے چھوٹی

دونوں بیٹیاں۔ خیر اور سحر! ان سب کو سلطانہ نے خصوصی طور پر مدعو کیا تھا اور وہ سب بہت خوشی سے اس کی خوشی میں شرکت کرنے کے لیے چلے آئے تھے گواہ کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی مگر سب ہی اس کے گھر کے حوالے سے کچھ نہ کچھ لے کر آئے تھے سارے ریکی ریکی

سی میر خائف سے اب تک پوری طرح بھر چکی تھی۔

سلطانہ اور اس کی بیٹیاں فجر سے سوا نچا کیے ادھر سے ادھر گھومے جا رہی تھیں۔ خاندان والوں کے تاثرات جانچنے کا بھی طریقہ تھا۔

”ماشاء اللہ بہت اچھا گھر بنایا ہے سلطانہ! خدا تمہیں اس میں ہمیشہ خوشی پہناتا نصیب کرے۔“ یاسین بھابی پہلے بھی تعریف کر چکی تھیں اب جب سلطانہ خاص طور پر ان کی میز پر آکر بیٹھی تو ایک بار پھر انہوں نے بہت خلوص سے کہا۔ سلطانہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوئی۔ پچھلے پورے قحط میں بے شمار تغریبی کلمات اس نے اپنا حق سمجھ کر وصول کیے تھے۔

”گھر کے حلق میں نظر یہ ہمیشہ بھی رہا ہے کہ اس معاملے میں انسان کچھ بھی نہ دکھائے اور اچھا زلزلہ جب ہی آتا ہے جب انسان دل کھول کر خرچ کرتا ہے۔“ پیسے کی فراوانی نے اس میں دھم تو پیدا کیا ہی تھا ساتھ میں مقابل کو کوڑی بھر بھی نہ گردانے کی ادائیگی عطا کی تھی۔ سلطانہ کو بھی دھیان نہیں رہا کہ یہاں سدا کی مسکین یا یسین بھابی ہی نہیں اس کی بیٹیوں نے بھی تشریف فرما ہیں جن سے اس کی بھی نہیں بن سکتی تھی۔ کچھ دیر وہ اسی طرح کی بے سرو پا باتیں کیے گی جنہیں کوئی سرسری سا جاننے والا بڑے آرام سے نظر انداز کر سکتا تھا مگر وہ بیٹیاں نہیں تھیں۔

”میں نے تو جمال سے صاف کہہ دیا تھا کہ بہت رتہ لی میں اتنے سال باہر تمہاری وجہ سے اب تمہارا فرض بنتا ہے کہ جیسا گھر میں چاہوں دیا ہی لے کر وہ آخر یہی کا بھی کچھ نہ ہوتا ہے نا۔“ جمال کی دوسرے نمبر والی بہن سامنے ہی بیٹھی تھیں اب تک نہ جانے کس طرح خاموش تھیں اس بار سلطانہ بولنے بولتے زار کی تو فوراً ہی کہہ بیٹھیں۔

”چلو اچھا ہے تم کم از کم جمال کو حقوق و فرائض یاد تو کرائی رہتی ہو اپنے اور بھی اس کے ذمے کچھ ہے یا تھا وہ تو اب کوئی یاد کرانے والا بھی نہیں ہے۔“ میز پر چند اور قریبی رشتے دار خواتین بھی بیٹھی تھیں اور ٹروٹ آ پا عادتاً بولتی بھی اونچا نہیں سب ہی نے سنا اور ان سب کے چہروں پر ابجرتی طرز یہی مسکراہٹ بھی چھپی نہیں رہ

سکی اشارہ اتنا واضح تھا کہ سلطانہ کو اس خوشگوار ماحول میں پہلی بار اپنے طلق میں کڑواہٹ سی چلی محسوس ہوئی۔ ”گھر تو انسانوں سے بنتے ہیں چیزوں سے نہیں اور بھی بڑا امت مان لیا لیکن ہمیں تو یہی بات عجیب سی لگ رہی ہے کہ تم اور لڑکیاں ادھر رہو اور جمال اور شرجیل وہاں رہیں میں اچھا ہوتا سب اکٹھے ہی یہاں آتے۔“ جمال کی سب سے بڑی بہن نے بھی اسے جتنا ضروری سمجھا۔ سلطانہ کو اب احساس ہوا تھا کہ اس وقت ان بہنوں کے پاس بیٹھ کر اس سے کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے۔ وہ آج بھی اپنی ہی صاف گوادر بے سروت واقع ہو رہی تھیں جتنی کہ اس کی شادی کے ابتدائی سالوں میں۔

”جمال بھی جلد ہی آجائیں گے پاکستان کا روبا رہ سمنے میں نام تو لگتا ہے تاثرات باجی اور میرا تو خود دل وہیں لگا رہے گا جب تک سب ایک ساتھ نہیں ہوں گے۔“ ایک چٹکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سلطانہ نے صفائی دینا چاہی۔ وہ ان لوگوں سے فی الحال لگاؤ نے کے حق میں نہیں تھی ردا اور ندا کے اچھے رشتوں کے لیے ان سب سے بنائے رکھنے میں فائدہ تھا۔ خاص طور پر ٹروٹ باجی جن کا بڑا بیٹا ایم بی اے کر کے کسی ملٹی نیشنل کمپنی کو جوائن کر چکا تھا۔

”تو بی بی ایسی جلدی کیا تھی جب جمال کو بھی سہولت ہوئی تب ہی سب اکٹھے آجائے یہ گھر کچھ عرصے کے لیے کرائے پر دے دیے تمہاری آمدنی ہی ہوتی۔“ وہ ذرا بھی جو متاثر ہوئی ہوں۔ یاسین بھابی چپ چاپ بیٹھی تھیں سلطانہ کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر انہوں نے دانستہ موضوع بدلنا چاہا۔

”یہ میوزک کی آواز تو کم کراؤ سلطانہ! کچھ زیادہ ہی اونچی کر دی ہے ان بچوں نے۔“ تھوڑا سا چونک کر سلطانہ نے ان کی طرف دیکھا سادہ سے چہرے اور سادہ سے لباس والی یاسین بھابی جن سے وہ ہمیشہ ہی حد درجہ خائف رہتی تھی۔

”پارٹیوں میں ایسے ہی ہوتا ہے اصل میں آپ کو عادت نہیں ہے یاسین بھابی۔“ رکھائی سے کہتے ہوئے

وہ اٹھ کھڑی ہوئی ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی اسے کوئی ضرورت بھی نہیں تھی۔ جو لوگ ساری زندگی خود اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتے بھلا اس کے لیے کیا کر سکتے تھے۔

کمال بھابی کے دونوں لڑکوں فراز اور باہر کو دوسرے کزنز کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر سلطانہ نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔ دونوں بھائیوں نے چھوٹی چھوٹی نوکریاں اور ٹیوشن پڑھا کر اپنا ماسٹر ز مکمل کیا تھا اب دونوں ہی پرائیویٹ سیکلر میں جاب کر رہے تھے۔

جمال کی بہنوں کی باتوں کا سلطانہ کو کئی دن ملاں رہا۔ ”ہماری خوشحالی سے جتنی ہیں ساری کی ساری صاف صاف نہیں کہہ سکتی تھیں اسی لیے اس طرح کی باتیں کر رہی تھیں بڑی آس فرائض کا طعنہ دینے والی اپنا پیسہ کون بانٹا پھرتا ہے دوسروں میں۔“ سلطانہ نے اپنی بہنوں سے دکھ بانٹا اور مناسب الفاظ میں جمال کے بھی گوشہ گزار کر دیا۔ نتیجتاً وہ جتنے بھی دن پاکستان میں رہا بہنوں اور بھائی سب ہی سے کھینچا کھنچا سارا ہنگامہ اس کے واپس جانے سے محض دو تین دن پہلے کمال بھابی کے گھر ہونے والی دعوت میں ان سب کو کمال بھابی کے گھر جانا ہی پڑا۔

وہاں جانا سلطانہ کو ہمیشہ ہی گراں گزرتا تھا مگر رشید ایسا تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں جانا ہی پڑتا تھا نہ جانی تو سب سے زیادہ شاید جمال ہی برا مانتا جاتا۔ تمام غصے مند عورتوں کی طرح سلطانہ بھی جمال پر تمام تر کینہ دل کے باوجود کوئی چھوٹا سا بھی رسک لینے سے بچتی تھی۔ کمال بھابی ابھی تک اپنے اسی پرانے محلے میں رہ رہے تھے کرائے کے مکان میں۔ پچھلے کچھ سالوں میں تھوڑی بہت خاموشی ہی تبدیلیاں ضرور آئی تھیں جیسے دیواروں پر رنگ روغن کھڑکی دروازوں پر سستے سے خوش رنگ پردے صوفے اور کھانے کی میز شاید کچھ اور بھی ہو مگر سلطانہ نے محض یہی نوٹ کی تھیں۔

اب جو دعوت میں جانا ہوا تو تین میں سے ایک کمرے میں جیسے ڈرائنگ روم کا نام دیا ہوا تھا تالین کی بچہ چٹا تھا اور دوسرے کمرے میں کمپیوٹر ٹیبل پر کمپیوٹر رکھا

ہوا دکھائی دیا تھا۔ سلطانہ تمسخرانی لگا ہوں سے یہ سب دیکھنے لگی باجی کی کجاہٹ میں اب بھی یاسین بھابی کے پرانے انداز کے کردار پر ہاتھ سے کاڑھے گئے تمسخرانی میٹ وغیرہ نمایاں تھے کمال بھابی کی سب سے چھوٹی بیٹی عمر بہت اشتیاق سے ان سے پوچھ رہی تھی۔

”سلطانہ چچی اب تو آپ کو ہمارے گھر میں بھی کافی تبدیلی لگ رہی ہوگی یہ سب شرباجی اور فراز بھائی کا شوق ہے جب بھی کبھی ملتی ہے ہم لوگ اسی طرح کوئی نہ کوئی چیز۔“

”سحر! سحر!“ باہر سے شرآواز دینے لگی تو وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر باورچی خانے کی طرف دوڑ گئی۔

”کیا ضرورت ہے ایسی فضول باتیں کرنے کی؟“ سلطانہ چچی اتنے شاندار گھر میں رہتی ہیں بھلا انہیں ہمارے گھر سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“ عمر دبے دبے سے لہجے میں اسے ڈانٹنے لگی تو وہ ہلکے سے ہنس دی۔

”ہمارا گھر بھی کسی سے کم تھوڑی ہے میں تو سلطانہ چچی کا بیٹی خوشی میں شریک کر رہی تھی۔“

”گھر وہ چاہیں تب۔“ عمر نے فرانی بین میں رکھے کبابوں کو پلٹتے ہوئے تنقیدی سے کہا۔ وہ بڑی تھی فطرتاً بھی لوگوں کے رویوں کو بہتر طور پر سمجھتی تھی۔ اندر کمرے میں سلطانہ یوں ہی اکتائی اکتائی سی بیٹھی ہوئی تھی ایک موقع پر یاسین بھابی اٹھ کر گئیں تو وہ بیٹیوں کو متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

”تمہارے تایا بابا کے بچے بھی بڑے پر نکال رہے ہیں ساری عقل تیز آتی جا رہی ہے۔“ ردا اور ندا نے بہت سی عادتیں ماں کی ہی لی تھیں مگر یہاں سب کے اپنا بہت بھرے روئے سے تھوڑا سا متاثر ضرور ہوئی تھیں سلطانہ کے ان بے دھڑک تبصروں سے انہیں الجھن ہونے لگتی تھی۔ ”ابھی کچھ سال پہلے ہی یہ حال تھا کہ گھر میں ایک کمرہ اس قابل نہیں تھا جہاں لوگوں کو.....!“ وہ کچھ اور یادیں تازہ کرنا چاہ رہی تھیں کہ ردا نے بات کاٹ دی۔

”پلیز ای کوئی سن لے گا کچھ تو خیال کر لیا کریں بولتے ہوئے۔“

”سن لے کوئی بھی میری بلا سے میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی ہماری عقل کی جارہی ہے۔“ روانے بے اختیار ہی ہاتھ پراٹھایاں نکالیں۔ ہاں کے ایسے بے سرو پا مفرضوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

”بے چارے تانا بابا! ان کے تو بھی وہم و گمان سے بھی یہ بات نہ گزری ہوگی کہ وہ ہمارے گھر سے اپنا مقابلہ کریں گے۔“ وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گئی۔

کمال بھائی نے کھانے پر تینوں بہنوں کو بھی بلایا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں چھوٹا سا گھر پوری طرح بھر گیا۔ چھ کرسیوں کی کھانے کی میز قطعی ناگانی تھی سو بیٹا بڑے کمرے میں دسترخوان بھی لگ گیا۔

کمال بھائی بے حد خوش تھے۔ مستقل منت اور ایک لمبے عرصے تک کے نامساعد حالات کو کھیل لینے کے بعد ان کی صحت بڑی حد تک چمکی تھی مگر ان کی محبت اور خلوص کا رنگ ان کے چہرے پر دمکتا تھا۔

”تنی خوش قسمتی کی بات ہے کہ آج میرے سارے بہن بھائی ایک وقت میں میرے پاس موجود ہیں خدا تم سب کو اسی طرح شاد و آباد رکھے میں اور کچھ تو تمہارے لیے نہیں کر سکتا بس دعا ہی کر سکتا ہوں۔“

کھانا شروع ہونے سے ذرا پہلے جب وہ ان سب سے کہہ رہے تھے تو ان کی آنکھوں میں سی سی اتری تھی۔

”آپ تو ہم بہنوں کے لیے باپ سے بھی بڑھ کر ہیں بھائی صاحب کیا کچھ نہیں کیا آپ نے ہمارے لیے قدم قدم پر ہمارا سہارا بنے رہے اپنی بیوی بچوں پر ہمیشہ ہمیں ترجیح دی آپ جیسا بھائی تو قسمت والی بہنوں کو ملتا ہے۔“ سلطانہ نے دیکھا کہ اس کی تینوں نندیں کس بے فراری سے اپنی جگہ سے اٹھ کر کمال بھائی کے دائیں بائیں جا بیٹھی تھیں اور یہ سب کہتے ہوئے ٹرٹ باتی کے تو باقاعدہ آنسو بہتے ہی شروع ہو گئے تھے وہی شروت جن کے بارے میں سلطانہ کی جتنی رائے تھی کہ ان سے زیادہ بد لحاظ اور منہ پھٹ شاید ہی کوئی ہو۔

”آپ نے جس طرح اماں اور بابا کی خدمت کی بہنوں کو ان کے حق سے بھی زیادہ دیا اس کا اجر تو صرف خدا ہی دے گا ہم بہنوں کے لیے تو آپ ہی۔“

سلطانہ نے کن آنکھوں سے قریب بیٹھے جمال کی طرف دیکھا اس کے چہرے کا رنگ پیکا سا پڑا تھا وہ بنیادی طور پر کمزور شخص تھا۔ روٹیوں اور باتوں سے فوری اثر قبول کرنے والا۔ سلطانہ نے اس کی اسی کمزوری کا فائدہ ہمیشہ اٹھایا تھا مگر اس وقت یہی کمزوری اسے اپنے بھائی بہنوں کے قریب کر رہی تھی۔

”کھانا لگوادیں یا سمن بھائی بہت بھوک لگ رہی ہے سچ۔“ سلطانہ نے قہر اندازی ضروری سمجھی۔ خلاف عادت اس نے یا سمن بھائی سے بے تکلفی برتی تھی سو وہ بے چاری بہت خوش خوش سی نورانی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کھانا بڑے اچھے ماحول میں کھایا گیا۔ یا سمن بھائی کے ہاتھ میں غصہ کا ڈانڈا تھا اور یہ خوبی ان کی بیٹیوں میں بھی آئی تھی۔ تینوں نندیں تو خیر کرسی رہی تھیں جمال سب سے زیادہ بڑھ بڑھ کر ترغیبیں کیے جا رہا تھا۔

”جواب نہیں ہے بھائی بڑی مدت کے بعد اتنی لذت بھرے کھانے کھائے ہیں کچھ میں نہیں آ رہا کیا کھایا جائے اور کیا نہیں۔“ سلطانہ جمال کا ہلکا پن بہت محسوس ہو رہا تھا۔ ساری زندگی اس نے بہترین سے بہترین کھایا تھا مگر اب ایسے پوز کر رہا تھا جیسے..... انجیر۔

”مجھے کیا پتا تھا کہ تمہیں اچھا لگے گا ورنہ روز بخوا کر تمہارے گھر پہنچا دیا کرتا۔“ کمال بھائی کے لیے میں اب محبت کے ساتھ تا صاف بھی شامل ہو رہا تھا۔ ان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ جمال کی خوشی کے لیے شہر کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کا سفر کر لیا کرتے۔

جمال کا پیکا پڑنا رنگ اب جمال ہو چکا تھا اور اب وہ بہت کھل کر رہا تھا۔ عجیب بات تھی کہ ویسے چاہے مہینوں کیا سال دو سال بھی وہ کمال بھائی یا بہنوں سے کسی سی خیر خیریت سے زیادہ رونا نہیں رکھتا ہو بل بیٹھے پر وہ سارا فاصلہ جیسے پل بھر میں ختم ہو جاتا تھا۔ کوئی گلہ کوئی شکایت نہیں۔ اس وقت بھی قہقہے لگ رہے تھے نہ جانے کون کون سے پرانے قصے دہرائے جا رہے تھے

وہی نہیں جو سلطانہ کے ہاں ایسی بے زار شکلیں بنائے بیٹھی تھیں جیسے زبردستی آئی ہوں اس وقت ان سے زیادہ کوئی خوش مزاج نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھانا ختم ہو چکا تھا۔ سلطانہ پور ہو کر باہر آئے۔ آئی سانسے والے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شرمندہ آواز نہ تھیل اے وہیں سے دکھائی دے رہے تھے۔ سلطانہ پوچھ ہی چلی ہوئی وہاں دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔ ”ہی“

ہائیں شور۔ فوری طور پر کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ سلطانہ کی نگاہ سیدھی ردا پر جا کر رہی۔ داہنے ہاتھ والی دیوار پر لگے ایک شلیف سے قریب وہ کوئی کتاب کھولے کھڑی تھی اور ذرا ہٹ کر کھڑا ہوا فراز بہت سنجیدگی سے اسے کچھ بتا رہا تھا۔ شاید کتاب کے موضوع کے بارے میں ہی مگر سلطانہ کو یکدم بہت برا لگا۔ بہت دیر سے وہ یہاں جس طرح کی کوفت میں جٹا لگی اس کے نکاس کا یہاں نہ بھی منظر بننا تھا۔

”کیا ہو رہا ہے ردا؟“ سوال پوچھتے ہوئے اس کے لیے میں اتنی ہی تھی کہ وہاں موجود سب ہی ذرا دیر کے لیے تو خاموش ہو گئے۔ ردا کو اس طرح کی پوچھتا چھ سے آج تک واسطہ نہیں پڑا تھا۔ حیران سی نگاہوں سے اس نے پہلے تو اس کی طرف دیکھا اور پھر ایک زبردستی اس کی سرکامٹ چہرے پر لا کر اس نے شاید ماحول کو نارمل کرنا چاہا تھا۔

”کچھ نہیں ای! فراز بھائی کا کلکیشن دیکھ رہی تھی بہت زبردست۔“

”تم یہاں کتابیں پڑھنے نہیں آئی ہوئے سننے شوق مت پالو۔“ بہت رکھائی سے سلطانہ نے بیٹی کی بات کا پی ”اھر آ کر اپنی پچو پیوں کے پاس بیٹھو وہ لوگ نہیں پوچھ رہی ہیں۔“ ردا نے ایک نگاہ قریب کھڑے فراز پر ڈالی وہ دوسری طرف دیکھ رہا تھا اور اس کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔

سلطانہ بھی دروازے میں ہی اس کی خطر کھڑی تھی۔ ردا نے خاموشی سے کتاب واپس شلیف میں رکھی اور باہر نکل آئی۔ ہاں کا روپیہ اسے سخت توین آمیز محسوس ہوا تھا مگر یہاں کچھ کہہ کر تانا بابا ان سے منظور نہیں تھا۔ زیادہ

انسوس اسے فراز کا سوچ کر ہو رہا تھا جو خود اس کے کہنے پر محض دو تین منٹ پہلے ہی اس کے پاس آ کر کھڑا ہوا تھا۔ سلطانہ پر اپنی ناراضی کا اظہار کرنے کے لیے ردا نے گھر بچنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ یہ قصہ گاڑی میں ہی شروع ہو گیا۔ ردا کی حمایت کے لیے شرنیل اور اندا بھی تھے۔

”مجھ میں نہیں آ رہا آپ کو یہاں آ کر کیا ہوتا جا رہا ہے وہاں دینی میں تو بھی آپ کو میرے بارے میں اتنی تشویش نہیں ہوئی۔“ ردا بالکل رو دینے کو ہو رہی تھی۔

”وہاں اور بات تھی یہاں بہت سوچ سمجھ کر رہنا پڑے گا۔“ جمال گاڑی چلا رہا تھا اور سلطانہ اسے اس سارے قصے سے الگ ہی رکھنا چاہ رہی تھی۔

”آپ کو کسی کی انسلٹ کرنے کا حق نہیں ہے جو کہنا تھا ردا کو گھر آ کر کہیں حالانکہ ردا کی بھی کوئی غلطی نہیں تھی۔“ شرنیل نے بلا کم و کاست سارا قصہ پہلے باپ کو سنایا اور پھر اس کو نصیحت کی۔ اپنی تینوں اولاد کو ادب اور لحاظ کا سبق دینے کے بجائے سلطانہ ان کی زبان درازی کو بہت خسرے ان کی بولندیش قرار دیتی تھی مگر آج اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ تینوں ہی قدرے بد سیز ہیں۔ خود جمال بھی روٹھا رہا تھا۔

”تم ہمیشہ کمال بھائی کے ہاں کوئی نہ کوئی بد مزگی کر کے ہی آتی ہو، معلوم نہیں بے چاروں نے کیا ناکڑ دیا ہے تمہارا اوپر سے مجھے بھی سب سے بدگمان کیے رکھتی ہو۔“

”ہائیں۔“ سلطانہ سب کو بھول جمال کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ جمال کے چہرے پر صاف صاف غلطی چھائی ہوئی تھی۔ باقی کے دو تین دن بھی جو وہ یہاں رہا اس نے بار بار سلطانہ کو بتایا کہ وہ محض اس کی باتوں میں آ کر اپنے بہن بھائی سے کٹ گیا ہے اپنی بہنوں سے ملنے جانے کے لیے اس نے سلطانہ کو ساتھ لے جانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ یہ سب سلطانہ کے لیے تھا۔ کوئی دوسرا نہیں اس کا شوہر اور بچے ہی اس کے لیے مسئلہ کھڑا کر رہے تھے۔

جمال کو جانے سے پہلے اس نے جیسے ہی منہ ہی لیا



ki Bakerari

A Quality Product of Continental Biscuits Ltd.

THE LASERDOT

اور اس کی بیوی جو سلطانہ کی بڑی بہن کے بہت پرانے ملازم تھے اور اب یہاں بچوادیے گئے تھے پھر رحمت بڑا تھیں جو تھیں تو سلطانہ کی مرحوم والدہ کی دور پر سے کی رشتے دار مگر خاندان بھر میں انہیں رشتے داری کے بجائے ضرورت پڑنے پر ایڈوائس دی جاتی تھی۔ جس کو ضرورت پڑتی وہ انہیں بلا لیتا ضرورت کم تو یہ عارضی ٹھکانا بھی تھی۔ اور ٹھکانوں کا کیا ہے وہ تو سب ہی کے عارضی ہی ہوتے ہیں چاہے جمبو پڑی ہو یا محل! وہ بے چاری ہر نئی جگہ سے بے دخل ہونے کے بعد خود کو یہی کہہ کر تسلی دے لیا کرتی تھیں۔ آج کل ان کا قیام سلطانہ کے گھر تھا۔ سلطانہ نے پہلے ہی دن انہیں ان کی حدود سے آگاہ کر دیا تھا۔

”بوا یہ آپ کا کمرہ آرام سے رہیں آپ کا کھانا جائے کمرے میں ہی پہنچایا جائے گا اس مٹھی میں آپ کے لیے اچھا ہے کہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی رہیں اور جتنا ہو سکے عبادت کریں! میں اتنا عرصہ اکیلے رہ چکی ہوں کہ نہ مجھے زیادہ لوگوں کی عادت رہی ہے اور نہ ہی فضول باتیں کرنے کی۔“ ایک چھوٹی سی تقریر میں اسی نے انہیں وہ سب کچھ کہہ دیا جو وہ ان سے توقع کرتی تھی۔ رحمت بوا بد مزہ تو ہوئیں مگر خاموش رہیں۔ یہ بھی کیا کم تھا کہ اس نے انہیں سرزنش کا وارڈ میں پھینکنے کے بجائے اندر گھر میں ہی جگہ دی تھی اور پھر سے پیٹ بھر کھانا اور نرم گرم بسمر بہت دن بعد انہیں ایسا آرام ملا تھا۔ سلطانہ اور لڑکیوں کی تنہائی کا تصور اب بہت ازالہ ہونے لگا۔

کمال بھائی بڑی باقاعدی سے آتے تھے شردار شردار میں تو انہوں نے شردار کو بھی وہاں چھوڑا مگر پھر سلطانہ کی رکھائی کو محسوس کرتے ہوئے لڑکیوں نے خود ہی آنا کم کر دیا کمال بھائی کے معمول میں البتہ کوئی فرق نہیں آیا۔ انہیں آخر جمال نے خصوصی طور پر کہا تھا کہ وہ سلطانہ اور لڑکیوں کا خیال رکھیں۔ خود سلطانہ کی بڑی بہن آکر رہ چلیا کرتی تھیں تو دن اور بھی اچھی طرح گزرتے تھے۔ ردا کے لیے رشتہ بڑی آپا کے توسط سے ہی آیا تھا۔

اور یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ اس کے بہن بھائی سے کسی قسم کی پرچاش نہیں رکھتی اس نے اپنے دل میں بھی خواہش کا اظہار بھی جمال پر کر دیا۔

”میری تو دل خواہش ہے کہ شردت باجی اپنے بیٹے کے لیے ردا کو لے لیں کتنا اچھا ہوا اگر ایسا ہو جائے ایسا کر دو شردت باجی سے بات کر دو تمہاری بات نہیں ٹالیں گی۔“

”خیال تو اچھا ہے۔“ جمال بھی تھوڑا سا متاثر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔ ”مگر ابھی اپنے منہ سے کہنا اچھا نہیں لگ رہا ہے“ ویسے بھی جلدی کیا ہے اگلی بار آؤں گا تو یہ بات بھی کر لوں گا۔“

”چلو ٹھیک ہے۔“ سلطانہ نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ کم از کم جمال نے یہ تاثر تو لے لیا کہ وہ اس کی بہنوں کو کس قدر رانا پہنچتی ہے۔

”ایک خیال اور میرے ذہن میں آرہا ہے سلطانہ۔“ جمال نے پرسوج سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیوں نہ ہم کمال بھائی کی حرکت کو شرتیل کے لیے مانگ لیں بہت چاری اور سلیقہ مند بچیاں ہیں ہمیں بہت آرام دے گی شردت اور بے بھی شرتیل کی کہ ہم۔“ جمال کا یہنا دروازہ زین خیال سلطانہ کو بہنوں سلگائے رکھنے کے لیے کافی تھا مگر سالوں کی پریشانی نے اسے جمال کے سامنے خود کو کمپوز رکھنے کا عادی بنا دیا تھا۔

”شرتیل ابھی اپنے بیروں پر نہیں کھڑا ہوا ہے پہلے اسے کاروبار سنبھالنے کی سمجھ تو آجائے ابھی سے شادی بیاہ کے چکر میں پڑ گیا تو کچھ بھی نہیں کر پائے گا۔“

”میں شادی کا نہیں کہہ رہا ہوں صرف مٹھنی ہو جائے۔“

”نہیں ابھی کچھ نہیں۔“ سلطانہ نے قطعیت کے ساتھ کہا۔ آخری فیصلہ اسی کا ہوتا تھا جمال کو اس سے بھی بھی اختلاف نہیں ہوتا تھا اپنی پیاری بیوی سے وہ تھوڑا سا بددل ہوا تھا مگر صرف دینی طور پر جمال اور شرتیل واپس دینی چلے گئے تو ایک بہ یک تنہائی کا احساس بڑھ گیا۔ گیٹ پر کارڈر رہتا تھا اور سرزنش کو اثر میں ڈرائیور

طرف دھیان دیں، لڑکا تعلیم یافتہ ضرور ہے مگر تنخواہ بہت کم ہے اسنے کم پیسوں میں گھر کیسے چل سکتا ہے مجھے تو سوچ کر ہی ڈیپریشن ہو رہی ہے۔

”اچھی محنتی تنخواہ ہے لڑکے کی پاکستان کے حساب سے تو بہت اچھی اب تم بھال کے کاروبار سے مقابلہ نہ کرنے بیٹھ جایا کرو وہ بھی دہی کا۔“ بڑی آپا کی ڈانٹ سلطانہ کو ذرا بھی بری نہیں لگی، الٹا ایک فخر یہی سکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

”آپ جو بھی سمجھیں، لیکن میں اس طرح نہیں کروں گی ردا کی شادی لاکھوں کا جہیز دیں گے تو لڑکا بھی اپنی پسند سے منتخب کریں گے۔“

بڑی آپا نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر خاموش رہیں، انہیں سلطانہ سے بے حد محبت کی اور اسی حساب سے ندا اور ردا سے بھی۔ ان کی اپنی کب سے خواہش تھی کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اپنی بہو بنا لیں مگر برائیت کا کج میں پڑ جاتے ہوئے عمامہ کے لیے سوال کرنا چھوٹا منہ اور بڑی بات تھی۔ خدا کرے عمامہ مقابلے کا امتحان پاس کر لے تو پھر بات کی جاسکتی ہے۔ یہ دعا وہ دل ہی دل میں کئی بار مانگ چکی تھیں۔ عمامہ کی سنی سے ہدایت کی کہ کسی سے بھی اس کی امتحان میں شرکت کا ذکر نہ کیا جائے۔ وہ ایک بار پہلے بھی یہ امتحان دے چکا تھا جس میں بد قسمتی سے کامیاب نہیں ہو سکا تھا سواس بار اسے پہلے سے کچھ بھی کہنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”معلوم نہیں کیوں ردا کی شادی میرے خواسوں پر چھائی ہوئی ہے بڑی آپا میں تو سمجھ رہی تھی کہ پاکستان آتے ہی رشتوں کی لائن لگ جائے گی مگر اب تو یہاں بھی کتنے ہی مہینے..... اس کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔ سامنے سے دونوں بیٹیاں آ رہی تھیں، پہلی نظر میں ہی صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ نہیں جانے کے لیے تیار ہوئی ہیں۔

ہم لوگ باہر جا رہے ہیں امی تھوڑی سی خریداری ہے اور پھر ایک دوست سے بھی ملنا ہے۔“ کرسی چھچھ کر بیٹھنے ہوئے ردا نے سرسری سے انداز میں تھوڑی سی تفصیل اپنے پروگرام کی بتائی یہاں فوری اجازت

”لوکا تو مناسب ہی ہے مگر ٹیلی ذرا پرانے خیالات کی دکھائی دے رہی کی میری ردا کا گزارہ مشکل ہی ہوگا۔“

اگلے دن صبح ناشتے کی میز پر سلطانہ نے بڑی آپا پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ردا اور ندا ابھی نہیں اٹھی تھیں۔

”خاندانی لوگ ہیں پڑے کھڑے معلوم نہیں تمہیں کیوں ایٹھے نہیں لگ رہے میرا مشورہ تو ہے کہ اچھی طرح سوچ لو۔“ بڑی آپا کو بہت مایوسی ہو رہی تھی۔ سلطانہ بدستور ہی ٹی میں سر ہلائے گئی۔

”میں اپنی بچیوں کو اچھی طرح سمجھتی ہوں وہ بہت لاڈ پیار میں پلی ہیں اس طرح آٹھ دس لوگوں کی ٹیلی میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر سکتیں، آج بڑی آپا کی آمد کے طفیل رحمت بوا بھی باہر آ بیٹھی تھیں بہت دنوں بعد انہیں کوئی ایسا موضوع سننے کو ملا تھا جس میں وہ بھی اپنی رائے دینے کے لیے بے قرار ہوئیں۔

”سب لڑکیاں ڈھل جاتی ہیں سسرال کے ماحول میں یہ تو قدرت کا نظام ہے ورنہ گھر کیسے رہائے جاتے“ تم بھی بے کار کے وہم مت پاؤ، بسم اللہ کرو بس۔“ بوا کو یاد ہی نہیں رہا کہ انہیں سلطانہ نے پہلے ہی دن سے فضول باتوں سے پرہیز کی تاکید کر رکھی ہے مگر تیرکمان سے نکل چکا تھا۔

سلطانہ پہلے ہی ردا کے رشتے کے لیے آنے والی لڑکے کی اماں اور بہنوں کے سادہ سے لمبوسات اور سینکڑے پنڈ گاڑی سے چڑی ہوئی تھیں رحمت بوا کی ڈھل اندازی اور بھی زیادہ گئی۔

”آپ کو کس نے کہا ہے کہ چچا میں بولیں میں نے کوئی مشورہ مانگا ہے آپ سے؟ جانتیں اپنے کمرے میں۔“ وہ شرمندہ سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ سلطانہ کی بڑی آپا ان سے بھی زیادہ شرمندہ ہوئیں۔

”بزرگ ہیں وہ ہماری امی کی رشتے کی بہن تھیں ہیں تمہیں ان سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔“ انہوں نے سمجھا نا چاہا۔

”آپ ان باتوں کو چھوڑیں بڑی آپا اصل مسئلے

LOFTY
Laboratories

لافٹی ہوم فیشل کٹ
مکھانے کی نئی وجہ

اب آپ لائی ہوم فیشل کٹ کی بدولت اپنے گھر کے باغیچوں ماحول میں رہے ہوئے اپنا فیشل نہایت آسانی سے خود کر سکتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دفعہ فیشل کرنے سے نہ صرف جلد کے مسائل دور ہو جاتے ہیں بلکہ جلد تروتازہ اور جوان رہتی ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ جتنی جلد تروتازہ جلد چاہتے ہیں وہی

Home Facial Kit

THE LASERROOT

حاصل تھی۔
 ”ہاں! ضرور جاؤ مگر تھوڑا سا ناشتا کرلو۔“
 قریب کھڑی ملازمہ حکم کی منتظر تھی، منٹوں میں ناشتا سامنے لا کر رکھ دیا۔
 ”جب سے یہاں مستقل طور پر آئے ہیں میری بیچیاں مسلسل بیمار رہی ہیں کبھی سر میں درد بھی آ رہی۔“
 ”الرجی میں تو سارے کراچی والے جلتا رہتے ہیں! آلودگی ہی اتنی ہے یہاں۔“ بڑی آپا نے اطمینان سے سلطانہ کی فکر رنج کی۔ ناشتا اچھا نہیں بنا تھا۔ کم از کم ان دونوں بہنوں کو طبی پینڈ نہیں آیا تھا۔
 ”نصحت نہ تیر۔“ بھی اچھے گھروں میں کام کیا ہوتا تو کچھ پتا ہوتا۔ اپنی ماں سے بھی بڑی عمر کی ملازمہ کو اچھی طرح سے اس کی اوقات جتا کر وہ دونوں بہنیں پورچ کی طرف چلی گئیں۔
 ”ان دونوں کو اسکے مت جانے دیا کرو سلطانہ! تمہارے گھر تو ڈرامہ گھر ہی ہے مفت کی خواہ وہ رہی ہو کیا کراچی کے کٹر ٹیک کا برا حال ہے۔“
 ”رہا بہت اچھی ڈرامہ ٹیگ کرتی ہے باہر سے ڈرامہ ٹیگ میٹ پاس کیا ہے اس نے! آپ فکر مت کریں۔“
 ”رحمت بوا جاری ہیں۔“ ملازمہ ایک بار پھر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی، کبہر ہی ہیں مجھے رکشا منکوا دو مجھے اپنے گھر جانا ہے۔“
 ”دیکھا! وہ برا مانا گئیں تا آخر اچھی بھلی یہاں تم لوگوں کے پاس رہ رہی ہیں اب پھر وہی اکیلا پن!“ بڑی آپا نے بے اختیار ہی سر پکڑ لیا۔
 ”توبہ ہے یہاں تو ہر روز ہی نیا مسئلہ ہے جائیں آپ جا کر سمجھائیں انہیں، کچھ پیسے دے دیں رک جائیں گی۔“ سلطانہ بے زاری ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
 بڑی آپا نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا، ان کی بہن میں کب اتنا بدلاؤ آیا تھا انہیں خبر ہی نہیں ہو سکتی تھی۔
 طویل عرصے سے چھوٹے چھوٹے وقفوں کے لیے پاکستان آنے والی سلطانہ کی خوشحالی دیکھ کر دل سے خوشی محسوس کرتے ہوئے انہیں اس کی شخصیت میں در آیا

ادھیان اور خود مرضی کبھی نظری نہیں آئی! آیا وہ فطرتاً ہی شروع سے ایسی ہے یا یہ سب اوقات سے بڑھ کر سب کچھ مل جانے کی دین تھی۔ انہوں نے ذرا رک کر تجزیہ کرنا چاہا مگر فی الحال رحمت بوا کا مسئلہ زیادہ اہم تھا۔ انہیں روکنا ضروری تھا سو وہ اٹھ کر اس اہم فریضے کو انجام دینے کے لیے چل دیں۔
 ☆ ☆ ☆
 دروازہ کھلنے کے کھولا تھا! ”تم!“ وہ اسے دیکھ کر تھوڑی سی حیران ہوئی، ”کیلی ہی آئی ہو؟“ دروازہ بند کر کے اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے وہ پوچھنے لگی۔
 ”نہیں نندا بھی تھی اسے اس کی دوست کے گھر چھوڑا ہے میں نے سوچا تم لوگوں سے ملتی چلوں۔“ چھوٹا سامعین پارک کے برآمدے تک آتے آتے روانہ کر کے چلے گئے۔
 ”سب لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں کیا؟“
 ”ہاں بس میں اور فراز بھائی ہیں باقی لوگ پھپھو کے ہاں گئے ہیں۔“ شرمندگی سے گھر اس نے شاید ڈھنگ سے سنا بھی نہیں۔ سامنے کمرے کے دروازے میں فراز آ کھڑا ہوا تھا۔
 ”السلام علیکم فراز بھائی!“ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے سلام کرتے ہوئے بھی دل پر چھائی وہ گہری شرمندگی ذرا بھی کم نہیں ہوئی جو اس روز ماں کی باتوں پر اس نے فراز کے لیے محسوس کی تھی۔
 ”علیکم السلام! ٹھیک ہو؟“ بنا کسی تاثر کے اس نے رسی سے لپکے میں دریافت کیا اور پھر واپس اپنے کمرے میں مڑ گیا۔ روا کی شرمندگی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔
 ”تم بیٹھو ردا! میں دو منٹ میں آئی۔“ کمرے چلے پھر پھر کو آئی تھی سو تیز قدموں سے بچن کی طرف چلی گئی۔
 ”کیا پڑھ رہے ہیں فراز بھائی؟“ فراز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ ردا اندر کمرے میں آ چکی تھی۔
 ”کچھ نہیں! بس ایسے ہی۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔ ایک خاموش سی نگاہ فراز پر ڈالتے ہوئے ردا نے معذرت کے وہ سارے الفاظ یاد کرنا چاہے جوتے دن

میں اس نے تہیاب دے دیے تھے۔
 ”تمہیں یہاں اسکے نہیں آنا چاہیے تھا اور میرا خیال ہے کہ تم نے سلطانہ چچی کو بتایا تک نہیں ہوگا کہ یہاں آ رہی ہو۔“ اس کا انداز ہونیسودرست تھا ردا کا سر خود بخود جھک گیا۔
 ”ایک اور غلطی!“ اس نے بے بسی سے سوچا، ”مگر وہ کسے تھی تو کیا؟“ فراز نے اس کے جھکے ہوئے سر کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔
 ”تمہیں پتا ہے ناروا کہ تمہاری امی میں بالکل بھی پسند نہیں کرتیں یہ ہمارے ابا ہیں جو ایک زبردستی کا رشتہ جوڑے ہوئے ہیں مگر تم تو سمجھدار ہو تمہیں خود خیال رکھنا چاہیے۔“ بہت صاف اور واضح الفاظ میں جو کچھ اس نے سمجھانا چاہا تھا وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
 ”مجھے نہیں پتا کہ امی کو میرا کہاں جانا پسند ہے اور کہاں نہیں! میرے تایا کا گھر ہے اور ابو مجھے خاص طور پر کہہ کر گئے تھے کہ میں جب چاہے یہاں آ سکتی ہوں۔“ معافی کی شرمندگی کے سارے الفاظ بھول کر وہ چھوڑا سا برا مانا گئی۔ ساری تنجید کی کے باوجود فراز کو مسکراہٹ دہانی پڑی۔ خاندان میں جہاں چچی کی بیٹیوں کے دماغ خرابی کی جوائنواں گروں کرتی تھیں شاید اتنی غلط نہیں ہیں۔ اسے پہلی بار ماننا پڑا۔
 ”اور میں یوں ہی نہیں آئی تھی! آپ سے اس روز والی بات کی معافی مانگتی تھی مجھے۔ امی کی بات سے آپ سے نہیں زیادہ مجھے تکلیف پہنچی ہے آپ کو پتا ہے میں بہت لڑی ہوں ان سے اور۔۔۔۔۔“ ایک ہاتھ سے آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے وہ اسے چچ میں بولنے کا ایک بھی موقع دے بغیر جو کچھ بھی کہہ رہی تھی وہی حقیقت تھی یا اس کے بہتے آنسوؤں کے پیچھے سے جھانکنے والی ایک اور خاموش سچائی۔ ایک بوکھلا دیے والا اکتشاف فراز پر ایک نیا ٹکڑا ہی ہوا۔
 ”بس کرو۔“ دونوں ہاتھ بے ساختہ ہی جوڑتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا! آواز خود بخود ہی قدرے اونچی ہو گئی تھی۔
 ”کس نے کہا تھا تمہیں کہ تم ایک بے کاری بات کا

اتنا بڑا ایٹھ بناؤ! کیا ضرورت تھی تمہیں سلطانہ چچی سے فضول باتیں کرنے کی! وہ ماں ہیں تمہارے لیے ان کی بات ماننا سب سے ضروری ہے۔“ وہ غمو باز در سے نہیں بولتا تھا مگر اس وقت شاید ردا نے اسے کنفیوژ کر دیا تھا۔
 ”آپ ڈرتے ہیں فراز بھائی! مگر میں نہیں ڈرتی ہوں۔“ ایک عجیب سی مسکراہٹ ردا کے لبوں پر آئی جیسے وہ اس کے دل کا عہد پانچنی ہو۔ تب ہی پیچھے سے شرمی گھبراہٹی گھبراہٹی سی آواز پر ان دونوں ہی کو چلنا پڑا۔
 ”کیا ہو گیا ردا! کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے آپ لوگوں کی! وہاں بچن تک آواز۔۔۔۔۔“
 ”کچھ نہیں! بس میں چلتی ہوں۔“ غلطی ہوئی کو دباتے ہوئے جیسے اس نے خود کو کپڑا کیا اور کمرے سے نکل گئی اور اس کے پیچھے پیچھے شرمی۔
 ”رکو تو سہی ردا! ابھی تو آئی ہو پکیز پیری بات تو سنو۔“ فراز کو اس کی آواز سنائی دے رہی تھی جو بار بار نے بھی کچھ کہا یا نہیں یہ اسے پتا نہیں چلا۔
 وہ وہاں اپنے کمرے میں بیٹھا رہا۔ چند ہی لمحوں میں اس نے دروازہ بند ہونے کی آواز بھی سن لی اور گاڑی اشارت ہونے کی بھی۔ ردا جا چکی تھی ایک لمحوں ہی پیچھے چھوڑ کر۔
 ”کیا کہہ دیا تھا آپ نے فراز بھائی؟“ شرم پریشان سا چہرہ لے لیا اس سے پوچھ رہی تھی۔
 ”میں نے کچھ بھی نہیں کہا اسے اور تم آخر کیوں پیچھے پڑ گئی ہو میرے۔“ وہ پہلے ہی پھٹلا ہوا تھا۔
 ”تم نے جوابا کچھ کہا بھی چاہا مگر پھر نہ جانے کیا سوچ کر خاموش ہی واپس پلٹ گئی۔ اس کی آنکھوں میں اتارنے کی تین تین فراز سے چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔
 ”حد سے اپنی۔۔۔۔۔ فضول لڑکی۔“ اسے ردا پر غصہ آیا تھا، وہی تھی جس کی وجہ سے اسے گھر والوں کے آگے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا! پہلی بار اس روز جب سلطانہ چچی بنا کسی بات کے سب کے سامنے برس پڑی تھیں اور آج پھر۔۔۔۔۔!
 ”معلوم نہیں شرم کیا سوچتی ہوگی!“ اسے بہن کی آنکھوں میں آنی سے تین تین بری طرح چھپی تھی۔

بدلتے موسموں کے ساتھ سلطانہ کی بے چینی میں اضافہ ہی ہو رہا تھا۔
 ”وہ دس گیارہ.....؟“ دس بار کا لگایا ہوا حساب اس نے پھر سے انگلی کی پوروں پر لگایا جب وہ دہائی سے آئی تھی تو موسم گرما کا وسط تھا، نئے گھر کی بے پایاں خوشی پھر گھر کی سینگ ملنا ملنا۔ ایک گھر سے احساسِ فخر میں ڈوبے ہوئے کئی ہفتوں تک تو وقت کا حساب کتاب ہی کرنے کی فرصت نہیں ملی تھی۔ کب آگیا دینے والی گرمیوں کا اختتام ہوا اور کب سردی اپنی جھلک دکھا کر رخصت ہوئی بہار کی خوشگوار ہوا میں اب پھر سے تمازت کا احساس گہرا ہونا شروع ہوا تو سلطانہ کو شہدت سے یاد آنے لگا تھا کہ اسے دہائی سے یہاں شفٹ ہوئے اب پورا ایک سال وہ بھی پلک جھپکنے میں وقت کی رفتار کا بھی کوئی ٹھکانا ہے۔ سلطانہ نے صوفے کی پشت سے سرٹکا کر آنکھیں بند کیں۔ گھر میں زیادہ وقت سنانا چھاپا رہتا۔ ارد گرد ایک دوسرے کی ہمدردی کی کہنی حاصل تھی۔ سارا وقت گھر میں بھی ساتھ رہتیں اور باہر جاتیں تو بھی ساتھ سلطانہ کا بہت دل چاہتا کہ وہ دونوں اس کے ساتھ بھی بیٹھ کر باتیں کیا کرتیں مگر.....
 ”رہا.....! آؤ!“ اس وقت بھی وہ بے ساختہ ہی ان دونوں کو آواز دے بیٹھی تھی۔
 ”جی ہاں!“ نہ دانتے باہر جھانکا۔
 ”کیا کر رہی ہو تم دونوں باہر آ جاؤ۔“ کبھی کبھی اس کے لیے میں ان دونوں سے بات کرتے ہوئے تھوڑی سی خوشامد جھلکتے لگتی تھی۔ ندا جواب دینے کے بجائے واپس اندر مڑ چکی تھی سلطانہ منتہری لگا ہوں سے اسی سمت دیکھنے جاری تھی اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ چند ہی لمحوں میں ندانے دوبارہ باہر جھانکا۔
 ”امی ردا بیٹی ہوئی ہے اس کا آٹھن کا موزڈیوں ہو رہا ہے اور میں تھوڑا کمپیوٹر پر کام کر رہی ہوں۔“ اپنی اپنی مصروفیت کی اطلاع دے کر وہ واپس چلی گئی کوئی اور بات سننے بغیر ہی۔ سلطانہ کو پتا تھا کہ ان دونوں کی طرف

☆☆☆

سے کوئی ایسا ہی جواب ملے گا۔
 ”بہت زیادہ دماغ خراب ہو رہا ہے دونوں کا“ غلطی میری اپنی ہے اسنے لاڈ پیار سے اولاد کو پالتا ہی نہیں چاہیے ہاں باپ کی دو کوڑی کی ادوات نہیں رہتی ان کی نگاہ میں۔“ ساری اداسی بھول کر وہ بری طرح جھجھلائی۔
 ردا نے جھپٹے چار ماہ سے اس کا اسی طرح کا خاموش بائیکاٹ کیا ہوا تھا حالانکہ بات کچھ بھی نہیں تھی۔ اس نے شخص ان دونوں کے کمال بھائی کے گھر جانے پر ہی تو پابندی لگائی تھی اور اتنی محبت کرنے والی ماں کی ایک پھوٹی سی بات کو بتا کسی بحث کے مان جانا ان دونوں کا یقیناً فرض بنتا تھا مگر کہاں..... اسی ایک بات کو لے کر گھر میں جھوٹے بڑے اتنے معرکے ہوئے کہ سلطانہ کے دہم دگمان میں بھی نہ تھا۔ ردا کسی بھی پابندی کو قبول کرنے سے مکمل طور پر انکاری تھی۔
 ”آپ کو جو سمجھنا ہے سمجھیں لیکن یہ سب صرف آپ کی وجہ کی نفرت ہے جو آپ ہمیشہ ہی ان لوگوں سے کرنی آتی ہیں ورنہ کسی نے کیا لگاڑا ہے آپ کا۔“ ٹھیک اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جب وہ اس طرح کی باتیں کر رہی تھی تب ہی سلطانہ کو پکا پکا یقین ہو گیا تھا کہ ردا کے بارے میں اس کے دل میں پلٹے والا دہم غلط نہیں ہے۔
 کمال بھائی اور یاسمین بھائی اپنی ساری عمر کی تنگ دہی اور محرومیوں کا ازالہ جمال کی دہی کی کمالی جڑ پر کر کے کرنا چاہ رہے ہیں ورنہ اس کی بیٹیوں کے سر پر دستِ شفقت رکھنے کے لیے وہ یوں بے تابا نہ شہر کے دوسرے سرے سے نہ دوڑے چلے آ کر تے۔ اس نے فون پر جمال کی بھی خوب خبر لی تھی بلکہ ردا ہی اس موضوع کے حوالے سے وہ کچھ نہ کچھ کہنا اپنا فرض سمجھتی تھی وہ خرب وہاں بیٹھا بیٹھا صرف حیران ہوتا تھا ابھی گزشتہ رات ہی.....
 ”بس مجھے نہیں پسند ہے تو نہیں پسند بات ختم.....“
 نہ مجھے ردا اور ندا کا کمال بھائی کے گھر جانا پسند ہے اور نہ ان لوگوں کا یہاں آنا۔ تم مہربانی کر کے انہیں بھی یہ بات

اپریل 2007ء

202

ماہنامہ کائنات

نادوتا کر وہ یہاں آنا تم کر دیں۔“
 ”میں انہیں کیسے کہہ سکتا ہوں بڑے بھائی ہیں وہ میرے اور پھر تم لوگوں کی خبر گیری کرنے کے لیے بے چارے آتے ہیں۔“
 ”میں ان کے ارادے دوسرے ہیں جمال تم سمجھ کیوں نہیں رہے یاسمین بھائی اور ان کی اولاد نے آخر کچھ تو بتی پڑھا ہی ہے ردا کو جو وہ وہاں جانے سے باز نہیں آتی۔“ سلطانہ رو دینے کو ہونے لگی تو وہ حسبِ معمول سب کچھ بھول کر اسے تسلی دینے میں لگ گیا۔
 ”تم چند دن کے لیے آ جاؤ پلایز تاکہ دونوں لڑکیوں کے رشتے فاصل کر دیں۔“ خود کو سنبھال کر بہت لذت کے ساتھ اس نے جمال کو آنے کی ہدایت کی تو اسے آنے کا وعدہ کرنا ہی پڑا۔
 اب جمال آ رہا تھا۔ کل سے جب جب بھی سلطانہ نے خود کو کمزور پڑتا محسوس کیا تھا اس بات کو دل ہی دل میں دہرایا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے بہت ٹھیک ٹھاک طور پر جمال کی اہمیت کا اندازہ ہو رہا تھا اس کی ساری خود اعتمادی سارے حوصلے کے پیچھے وہی کھڑا تھا مگر یہ بات خود اپنے منہ سے جمال کو بتانی ابھی کتنی مشکل ہے۔ دونوں لڑکیوں کے لیے چند رشتے شہر کی ایک بہت معروف رشتے کرانے والی خاتون کے توسط سے آئے تھے اور ایک بڑی آپا کا عہد تو تھا ہی۔ سی ایس ایس کا امتحان پاس کر لینے کے بعد اس وقت اکیڈمی کو جوائن کر چکا تھا ”ردا یا ندا وہ جتنے بھی مناسب سمجھیں۔“ اس معاملے میں اسے ذرا بھی اعتراض نہیں تھا، عہد جیسے قابل لڑکے کا ملنا ہی کم خوش قسمتی کی بات نہیں تھی۔ تب ہی اسے اچانک کچھ یاد آیا تو وہ صوفے سے اٹھتے اٹھتے واپس بیٹھ گئی۔
 بڑی آپا کو جمال کے آنے کی اطلاع دینا بے ضروری ہے فون بڑی آیا ہے ہی اٹھا یا تھا۔
 ”جمال آئندہ بدھ کو کچھ رہے ہیں بڑی آپا ہم لوگوں نے سوچا ہے کہ اس موقع پر دونوں بیٹیوں کے رشتے بھی طے کر دیے جائیں کم از کم ایک طرف سے تو سبکری ہو جائے گی۔“ اپنی تمام تر بولڈنٹیس کے باوجود

اپریل 2007ء

203

ماہنامہ کائنات

وہ یہ کہتے ہوئے جھجک سی گئی کہ اس صوفے پر بڑی آپا کو بھی عہد کا رشتہ لے آنا چاہیے۔
 ”اچھا اللہ مبارک کرے“ رشتے ہیں کیا تمہاری نظر میں؟“ دوسری طرف سے بڑی آپا خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔
 سلطانہ چند لمحوں کے لیے تو چپ کی چپ کھڑی رہ گئی اپنے متعلق عام غور تو اسے زیادہ سمجھ داری کا دعویٰ اسے یوں ہی نہیں تھا بڑی آپا کے سادہ سے جملے کے پیچھے سے ان کی نیت جھانک رہی تھی۔ عہد کے بارے میں ان کا ارادہ بدل چکا تھا، کب؟ کیسے؟ کیوں؟ بہت سارے تکلیف دہ سوال سلطانہ کو بیک وقت منہ پڑاتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے مگر ان سب سے نگاہ بچا کر شاید اس نے پہلی بار اپنے خیال کو وہم کر دانا۔
 ”رشتے تو بہت ہیں بڑی آپا کم میں چاہ رہی ہوں کہ اچھا ہے انہوں میں ہی ہو جائے آخر اتنا لاکھوں کا جہیز مع فلیٹ کے دے رہی ہوں کسی اپنے ہی کے کام آئے۔“ اپنے پیسے کی مستقل نمائندگی وہ اتنی زیادہ عادی ہو چکی تھی کہ اسے یاد ہی نہیں رہتا تھا کہ بہت سارے لوگوں کے لیے یہ رویہ متاثر کن ہونے کے بجائے تو ہیں امیر ہوتا ہے۔ بڑی آپا کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ کسی تیز بین کی طرح چھٹی چھوٹی بڑی بہت ساری باتوں کے بعد بہن کی محبت پر عزت نفس غالب آ چکی تھی۔
 ”جمال کو خیال ہے ایک رشتہ تو وہ اپنی بہن کے ہاں دیں گے ثروت آپا کا بیٹا ایم بی اے کر چکا ہے آپ کو پتا ہی ہے۔“ دوسری طرف سے سلطانہ کی بات ابھی جاری تھی ثروت کا ذکر اس نے اس وقت جان بوجھ کر کیا تھا کہ شاید اس طرح بڑی آپا کو بھی اپنی ذمہ داری یاد آ جائے مگر وہ صاف ٹال گئیں۔
 ”چلو سمجھی جہاں جس کی قسمت۔“ سلطانہ کا فون کھٹک سے بند ہوا تھا۔ یہ ایک بہت بڑا دھچکا تھا جو اس کے دل کو پہنچا تھا بڑی آپا سے اسے سوطا دہی کی اسے ذرا بھی امید نہیں تھی۔
 ”سچ ہے اب تو خون کے رشتوں کا بھی اعتبار نہیں

اپریل 2007ء

SMARTIL

وزن کم کرنے کا جدید انقلابی انداز
مؤثر اور محفوظ ہومیو پیتھک ادویات کا مرکب



ٹیبلس

2 گولی روزانہ استعمال سے صرف 30 دن میں 18 پونڈ تک وزن کم کریں

اور نظر آئیں جاذبِ نظر صحت مند اور سمارٹ

وزن کم کرنے کا مکمل کورس

کاروباری رابطہ:

ایچ مارکیٹنگ 0321-6326451 / 061-4784078 ہومیو پاتھ پریز بازار 051-5535435

راولپنڈی: سیم بوزیو چٹک ستور، عصمت ہومیو ستور، جناب ہومیو ستور، اسلام آباد: شاہین ہومیو ستور، اقبال ہومیو ستور، جھلم: عاصم ہومیو ستور، دیشہ شاہ ہومیو ستور، میر پور خاص، آزاد کشمیر: حسن محمودیہ ٹیکل ستور، لاہور: ایس۔ ایس۔ ٹیکرز 042-6369261، ریم اللہ ہومیو ستور، سعید آباد، دہلی: ناؤن 021-2810777، صدر میڈیکل ستور، صدر، محملی: میڈیکل ڈراما باغ، حید آباد، بمبئی: رواخانہ، جرن ہومیو ستور، نواب شاہ: سندھ ہومیو ستور، بھاولپور: شہزاد وادخانہ

رہا ہے ایک ذرا بٹا کیا قابلِ نکل گیا بڑی آبانے
آنکھیں مانتے پر رکھ لیں۔ ”وہ نہ جانے کب تک بھی اپنا
دل جلانے لے۔ یہ سوچے بنا کہ ایسے ہی خون کے رشتے
جمال کے ساتھ بھی جڑے ہیں جن کے ساتھ وہ ہمیشہ...
بہرے بدترین رویہ رکھتی چلی آ رہی ہے۔“ اور وہ کوئی
انور بھی ایسی نہیں تھی اکثر ہی ایسا ہوتا ہے جسے میں آئی
خوش قسمتی کو لوگ سنت سنت کر رکھتے ہیں محض اپنے
سکھ آرام اپنی خوشی کو وقت سے کشید کرتے ہیں اپنی خوش
بختی کا صدقہ سمجھ کر بھی وہ ان لوگوں کے لیے اپنے دل کو
ذرا سنبھلی بڑا نہیں کر پاتے جن کے جسے میں تقدیر سے
ملا یہ فیور نہیں آیا ہوتا ہے۔ سلطانہ نے بھی ہمیشہ ایسا ہی کیا
تھا۔ اپنی خوش بختی میں کسی کی چنگی برابر سامنے داری بھی
اسے کبھی منظور نہیں ہوتی تھی تو ازان کا سیدھا سچا اصول
پورے راستے کو ہموار اور سہل کرتا ہے جبکہ ایک ہی
پلڑے میں سارا وزن ڈال دینے سے صرف ارد گرد کا
ماحول چکا چوند ہوتا ہے وہ بھی محض دقتی طور پر۔
جس جگہ جمال کراچی پہنچا کمال بھائی کو اسپتال میں
داخل ہوئے چشمتھیں کھٹکے ہوئے تھے۔ سلطانہ نے جمال
اور اپنے لاڈلے شرنیل کو وارم دیکم دینے کے لیے گھر پر
کافی تیاریاں کر رکھی تھیں مگر جمال نے انیر پورٹ سے
ہی کمال بھائی کو دیکھنے جانے کا پروگرام بنالیا۔ سلطانہ کو
بڑی فطری سی بوریت ہو رہی تھی۔
”گھر پہنچ کر پھر آرام سے کمال بھائی کو دیکھنے چلے
چلیں گے، ابھی یہ سارا سامان لے کر...“ وہ اسے بتاتا
چاہ رہی تھی کہ کمال بھائی کوئی خدا خواستہ ایسی سیریس
کنڈیشن میں بھی نہیں ہیں مگر جمال نے بڑی بے تابی
سے اس کی بات کاٹی تھی۔
”تم سامان لے کر جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ، میں
یہاں سے کیسی لے کر پہلے کمال بھائی کو دیکھنے جاؤں
گا۔“ اس کے لیے میں بڑی فطرت تھی اور سلطانہ ابھی
طرح جانتی تھی اپنے تمام تر ڈھل پن کے باوجود
جمال اگر کسی بات کی بھی بھار دھان لیتا تھا تو پھر اسے
ہلا تا مشکل ترین کام تھا۔
”تم کب تک بچہ پڑھو۔“ حسبِ عادت جھٹ پٹ فیصلہ

کہہ رہے ہیں کہ سب علاج چلے گا اور ذرا سی بھی غفلت کی تو..... جملہ امور اچھوڑ کر دھر جھکا کر فرش کو گھورنے لگا۔

”دھکر مت کرو! انتہا غلط ٹھیک ہو جائیں گے۔“ جمال نے محبت سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ پرائیوٹ کمروں کی لائن میں کارڈور میں کھلے والا تیسرا دروازہ کمال بھائی کے کمرے کا تھا۔ سلطانہ نے اندر داخل ہونے سے پہلے جمال کی طرف دیکھا اس کا چہرہ بے حد سنجیدہ ہو رہا تھا اور ہونٹ آپس میں جتنی کے ساتھ بیٹھے ہوئے۔ سامنے کمال بھائی بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ تینوں ہمیشہ ان کے ارد گرد موجود ہیں اور ردافلا سک میں سے کھڑوں کا جوس نکال رہی تھی جو اس نے خود آج صبح چکن میں رو کر نکالا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر سب ہی نے بیک وقت اس طرف دیکھا تھا۔ ”ارے جمال!“ حیرت اور خوشی میں ڈوبی ہوئی آوازیں ایک ساتھ ہی ابھریں۔ اس کے پاکستان پتختے کی اطلاع تو سب کو کچھ مگر یہ خیال نہیں تھا کہ وہ ابھی اسی وقت اسپتال بھی چلا آئے گا۔ جمال بے ساختہ ہی کمال بھائی کے کھلے ہوئے بازوؤں میں سما گیا۔

”ارے اتنا بڑا ہو کر کچھ بچوں کی طرح ذرا سی بات رہ گھبرا گیا۔“ کمال بھائی شفقت سے جمال کی پشت کو تھپکے لگئے انہیں اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ درہا بے ”ٹھیک ہو جاؤں گا میں اب تو تم آگے ہو دیکھنا ایک دودن میں یہ اسپتال والے بھی چھٹی دے دیں گے۔“ جمال ابھی تک ان کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ کمال بھائی کے کمرے سے وجود سے کسی مانوس سی آج آ رہی تھی۔ جمال کو بہت دن بعد اماں یاد آئیں تینوں ہمیشہ اپنی آنکھیں خشک کرتی ہوئی بالکل قریب آ کھڑی ہوتی تھیں۔

”چلو اٹھو شاپی۔ شروع سے بہت چھوٹا دل ہے اس کا اماں کہا کرتی تھیں جمال کو کوئی فکر والی بات مت بتایا کرو اس میں نہ ہمت ہے نہ برداشت۔“ جمال کی بہنوں کی باتوں میں اس کے لیے بڑی محبت بڑی رعایت تھی۔ جمال وہیں ان کے قریب ہی بیٹھا کمال بھائی کی محبت میں ہونے والی پروگریس کو سن رہا تھا۔

ایک بار بھی اس نے تھوڑے فاصلے پر بیٹھی سلطانہ کی طرف نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ردافلا اس کی کسی خاص توجہ کا مرکز بنی تھی۔

”یائین بھائی کہاں ہیں؟“ اسے جمال کا خاص طور پر یائین بھائی کا پوچھنا اور بھی برا لگے گا۔ ”ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی گھر گئی ہیں، ہم نے زبردستی بھیجا ہے کہ جا کر تھوڑا سا آرام کریں جب سے آئی تھیں یہیں تھیں۔“ ہمیشہ جتنے نگاہیں جمال نے بھی اطمینان کا اظہار کیا۔

”بہت اچھا کیا، تھوڑا سا آرام تو ان کو بھی مل جائے گا ورنہ خود سے تو انہوں نے بھی اپنی پروا نہیں کی ہے۔“ تینوں ہمیشہ اس قسم کی باتوں کی تائید کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ یائین بھائی کی تعریف میں چند کھلے فوری طور پر آئے۔ محبت اور خلوص واپس کے رنگوں میں ڈوبا یہ منظر بے حد مکمل تھا۔ ایک وہی تھی جو آؤٹ آف فوکس تھی۔ سلطانہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ذات کی اہمیت کھنکے کا تجربہ اسے جب بھی ہوتا جمال کے ان ہی بھائی بہنوں کے سامنے ہوتا۔ جنہیں اس نے بھی کوئی برابر بھی نہیں گردانا تھا۔ یہی غیر اہم ہے لوگ جن سے رسی طور پر مل لینا اس کی بیجوری تھی نہ تو بھی اس سے مرعوب ہوئے اور نہ ہی اس کے احسان مند۔ ساری عمر جمال کو پہنچانے کا ان سے الگ رکھنے کی کوششوں میں گزری تھی مگر پھر بھی کبھی یہ ساری تک و دور اینکال ہی جاتی محسوس ہوتی تھی جیسی کہ اس وقت! ایک ان دیکھی جن برسوں وہاں وہی میں رہے ہوئے بھی ساتھ رہتی اور اب یہاں تو قصہ ہی دوسرا تھا۔ پاؤں تلے جیسے ہمدردی انگارے پیچھے رہتے۔

سب کے سب اس کی خوشحالی سے حد کرنے والے اور جمال کی دولت ہڑپ کرنے کے لیے تیار۔ بہت سے مفرد نے دل ہی دل میں اتنی بار دہرایا ہے جاتے ہیں کہ وہ یقین کی حد سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں۔ نماز سب ہی پڑھ لیتے ہیں قرآن پاک بھی گھر میں کھلتا ہے اور روزہ ذکوۃ کے فرائض بھی حد تک انجام دے لیے جاتے ہیں مگر نجات کے

آسمان ترین نیچے حلاوتی سے بڑی آسانی سے نکالیں چرائی جاتی ہیں۔ نہ ہمیں پیار کرنا آیا اور نہ ہی معاف کرنا۔

”یہ ردافلا بھی کھڑی ہے اس کی طرف بھی دیکھ لیں۔“ بہت جلد ہی وہ اپنی برداشت کھولنے لگی۔ چہرے پر پچھلی زبردستی کی مسکراہٹ اندر کی کھولن پر بہ شکل ہی پردہ ڈال رہی تھی مگر وہاں موجود سب ہی لوگ اس کے رویے کو مستقل نظر انداز کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اس وقت بات ردافلا کی ہو رہی تھی۔

”روا جیسی پیاری اور خدمت گزار بیٹی قسمت والوں کو ملتی ہے جمال میری بیٹی دیکھ جمال اس نے کی ہے میرے دل سے دعا میں نکلتی ہیں اس کے لیے۔“ کمال بھائی اور تینوں بہنوں کے لیے ردافلا کا رویہ بڑی حیرت انگیز خوشی کا باعث بنا ہوا تھا۔ سلطانہ اور جمال کی بیٹی ایسی بھی ہو سکتی ہے یہ کسی کے بھی وہم و گمان میں نہیں تھا۔ جمال کے چہرے پر پہلی ہی سرفی چھاری تھی۔

”آپ لیٹ جائیں کمال بھائی، آپ تھک گئے ہیں۔“ وہ ان کی پشت پر ٹیکے ٹھیک کرنے کے لیے آگے بڑھا اسے احساس ہو رہا تھا کہ کمال بھائی پہلے سے بھی کہیں زیادہ کمزور ہو رہے تھے اور بات کرتے ہوئے انہیں بار بار رک کر اپنی سانس بھی درست کرنی پڑتی ہے۔

”خدا جمیں اور ترقی اور خوشحالی دے اپنے بچوں کی ہزاروں خوشیاں دیکھو میری پیاری کا سن کہ فوراً ہی چلے آئے اس سے بڑی بات اور کیا ہوگی۔“ جمال نے ان کے چہرے پر روشنی کی پھیلنے کو دیکھی۔ وہ اس کے شکر گزار ہو رہے تھے بے ساختہ ہی جمال کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے مگر.....! فرار باہر سے دوایں لا چکا تھا۔ سلطانہ کی کڑی نگاہ اب اس پر بھی تھی حالانکہ وہ بڑا سنجیدہ اور بردبار سالک تھا مگر سلطانہ کو یہی شبہ ہو رہا تھا کہ وہ کن انھیں سے مستقل رو کر دیکھے جا رہا ہے۔

”میرا خیال ہے اب چلتا جا ہے مگر بڑے انتظار کر رہے ہوں گے۔“ موہاں پر گاڑی کے آجانے کی

اطلاع سننے ہی سلطانہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جمال ابھی کچھ دیر اور بیٹھنا چاہتا تھا مگر تینوں بہنوں اور خود کمال بھائی کے اصرار پر اسے ہٹانا ہی پڑا۔

”ٹھیک ہے پھر میں شام تک دوبارہ آ جاؤں گا۔“ وہ فوراً ہی شام کا پروگرام سیٹ کر بیٹھا۔ سلطانہ کا بے ساختہ ہی سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔ ردافلا اور ندا کے رشتے کی غرض سے ایک ابھی ٹیلی آج شام ہی اس نے مدعو کر رکھی تھی اور یہ بات وہ پچھلے چند دنوں میں کی بار جمال کو بھی بتا چکی تھی مگر اس وقت وہ تیسرے سب کچھ بھلائے جا رہا تھا۔

”اور ردافلا ابھی یہیں رکی رہو شام میں دوبارہ آؤں گا تو پھر میرے ساتھ چلی چلتا۔“ اٹھتے ہوئے وہ ردافلا کی طرف دیکھ کر بولے تو اس کے چہرے پر بڑی پیاری سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سلطانہ جڑ بڑی ہوئی اس کے ساتھ کمرے میں نکلی آئی۔

”جمال میں نے تمہیں بتایا بھی تھا کہ آج شام کو ان لوگوں کو آتا ہے، تم نے ردافلا کو یہاں رکھنے کے لیے کہہ دیا۔“ اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بے حد خشکی سے یاد دلانے لگی۔ ”اسے ساتھ لے کر چلتا ہے ضروری ہے کتنا برا سا لگے گا اگر وہ.....“ اسے پوری امید تھی کہ جمال جیسا فرامیہ دار شوہر فوراً ہی واپس جا کر ردافلا کو بلالائے گا مگر اس نے بڑی تیزی سے اس کی بات کا ٹکائی تھی۔

”تم منع کرو آج میں کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتا“ کمال بھائی کی حالت دیکھ ہی ہوا ہے میں اچھا لگتا ہے یہ شادی بیاہ کے قصے چھیڑنا۔“ کمال بھائی پچھلے چند سالوں میں اکثر ہی بیمار ہوئے تھے یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں وہاں وہی سے دو چار بار فون کر کے ان کی خیریت دریافت کر لی جاتی اور قصہ ختم! یہ اس وقت جو جمال پر جذباتی کیفیت طاری ہو رہی تھی سلطانہ نے بھی سوچ کر برداشت کی تھی کہ تھوڑی ہی دیر کا قصہ ہے۔

”تم جس کام کے لیے یہاں آئے ہو وہ بھی کم اہم نہیں ہے اپنی ذمہ داریوں کی فکر کرو جمال تمہاری اولاد دیکھنے کتنا ٹینشن میں ڈالا ہوا ہے تمہیں کچھ بھی احساس نہیں ہے۔“ اسے بہت سارے دنوں کی تنہائی

پای اس پر بری طرح سے ایک ساتھ ہی حملہ آور ہو رہی تھی اسے دن سے اس نے خود کو جمال کی آمد کے سہارے ہی سنبھالا ہوا تھا۔ جیسے وہ آئے گا تو سارے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ پارکنگ کی طرف آتے ہوئے وہ اسی دل سوز سے انداز میں خود پر ہنسی پریشانیوں کو اور مناسب جمع تفریق کر کے جمال کو سنانی رہی جس کے بعد وہ ہمیشہ ہی اس کے لیے سب کچھ کرنے پر کمر بستہ ہو جاتا تھا۔

”اکیلے رہ کر ہر بات کو خود دیکھنا بڑا ہی مشکل ہوتا ہے جمال“ رشتے داروں کا کیا ہے کڑی دو کڑی کے لیے رکی طور پر پوچھ کر اپنا فرض ادا کر لیتے ہیں۔ ”ایک بالواسطہ ہدایت جمال کے لیے بھی تھی۔ وہ بالکل خاموش ہونٹ سمیٹے اس کے ساتھ چلتا رہا تب ہی اس کے موبائل کی بیل ہونے لگی ہاتھ میں تھا سہ موبائل پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے وہ ایک منٹ۔ ”کہتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔ گاڑی سامنے ہی کھڑی تھی سلطانہ اس کی طرف بڑھ گئی جمال اچھی خاصی دیر لگا کر مظلوم نہیں وہ کس سے بات کر رہا تھا سلطانہ اپنی نگاہوں میں کھوئی تھی مگر جب وہ آیا تو سرسری سے انداز میں پوچھ لیا۔

”کس کا فون تھا؟“

”ہاں۔“ ”معلوم نہیں کیوں وہ چونک سا گیا۔“ ”یہ تم نہیں جانتیں۔“

”ابا کون ہے تمہارا جاننے والا جسے میں نہیں جانتی۔“ اس کا فطری ہنسی پن ایک بہیکہ ابھرا جمال پر اس نے بہت سال بڑی کڑی نگاہ رکھی تھی مگر اب بہت عرصے سے وہ اس کے بارے میں پُر اعتماد تھی وہ اس کا اتنا زیادہ عادی ہو چکا تھا کہ سوائے اس کے اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔

”میرا مطلب ہے کہ اب سال بھر سے تم یہاں ہو تو

ہوتی ہے چاہے وہ سلطانہ جیسی زمانہ ساز ہی کیوں نہ ہو۔ سلطانہ کو بھی ذرا دیر کے لیے جمال کی تھوڑی دیر پہلے والی رکھائی اس کے بہن بھائی کی طرف سے ملنے والی ٹینشن لڑکیوں کے رشتے حتیٰ کہ ابھی ابھی آنے والی کال تک بھولنے لگی۔ گاڑی ڈرائیور چلا رہا تھا سو کسی روایتک بات کی تجاویز نہیں تھی پھر بھی وہ سارا راستہ جمال کی ٹیٹھی ٹیٹھی نگاہوں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے سرشاری ٹیٹھی رہی۔ وہ بالکل بھی نہیں بدلتا تھا بلکہ اس کی محبت میں پہلے سے بھی زیادہ شدت تھی۔ بھی بھاریوں ہی شاید خود سے جڑے دوسرے رشتوں کے نفسیاتی دباؤ میں آ جاتا تھا۔ اس کا خیال ہمیشہ کی طرح سو فیصد درست تھا اس بار جمال اس کے لیے تحائف بھی ہمیشہ سے زیادہ لایا اور حیرت انگیز طور پر اس کی چٹاس بھی بہتر بن گئی۔ وہ خوشی سے پھولی نہیں ساری تھی۔ رشتے کے لیے آنے والی بھلی سے اس نے جمال کے دوبارہ کہنے سے پہلے فون کر کے معذرت کر لی تھی۔ وہ بھلے لوگ تھے چند دن بعد آنے پر راضی ہو گئے۔

”میں بھی بعض اوقات بے وقوفی کی حد کرتی ہوں“ بھلا کیا ضرورت ہے جمال کو ضد دلانے کی؟ ”شہر کے لیے دل میں اٹھتے بے تحاشا چار کو دباتے ہوئے وہ لاؤنج میں چلی آئی جہاں بڑا خوشگوار سا بنگا مدھمچھلا ہوا تھا۔ جمال کا لایا ہوا سامان ابھی بھی بیچ میں کھلا ہوا تھا اور ندا وہیں بیٹھی اپنی منگوائی ہوئی چیزیں الگ کر رہی تھی۔

”آجائے حضور یہاں تشریف لے آئیں۔“

بالکل سامنے بڑے صوفے پر بیٹھے جمال نے اسے آتے دیکھ کر بڑے فدا دینا انداز میں پکارا تو وہ ایک پُر غور سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے برابر جا بیٹھی۔ نزدیک پیشا شربیل نہ جانے کیوں بہت زور سے ہنسا۔

”جواب نہیں ہے بابا آپ کا۔“

”بدلتی۔“ سلطانہ نے بناوٹی سی ہنسی سے اسے

اس کے بیچے ماں باپ کے ساتھ بالکل دوستوں کی طرح رہتے ہیں۔

ایک بار پھر جمال کا موبائل بج رہا تھا مگر اس بار اٹھ کر نہیں جانے کے بجائے اس نے لائن ہی ڈسکلیٹ کر دی۔

”کیوں بات کر لیتے نا۔“

”نہیں اس وقت نہیں بہت ڈوں بعد تم ملی ہو اس وقت ہم صرف اپنی باتیں کریں گے۔“ وہ بہت جلد سے بولا۔

”کون کہتا ہے کہ محبت وقت کی محتاج ہے آج جب وہ جوان بچوں کی ماں ہے تب بھی اس کا شوہر اس کی محبت میں اودھن دلوں کی طرح دیوانہ ہے۔“ سلطانہ نے ایسے ہر موقتے پر خود کو فضاؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا تھا شاید نہیں یقیناً وہ بہت ساری عورتوں سے کہیں زیادہ خوش قسمت تھی۔ اس نے بہت فخر سے ایک نگاہ اپنے بچے پر گھرا اور بچوں پر ڈالی۔

”نہیں ردا اور ندا کی فکر سر پر سوار کر لینے کی ضرورت کیا ہے آخر خود کو ریلیکس رکھا کر سلطانہ میں درحقیقت صرف تمہاری وجہ سے یہاں آیا ہوں سارے کام چھوڑ کر اس طرح تو تم خود کو بیمار کر لو گی۔“ وہ ہلکے ہلکے کہے جا رہا تھا۔

سلطانہ کی آنکھوں میں نمی سی تھلنے لگی۔ مسالکی کی یہ گھڑی جو اس کے وجود کو تھکائے دے رہی تھی خود سازتھی اصل مسئلہ کچھ اور ہی تھا۔

”ردا اور ندا کے رشتے کے دردمال پھر ہم لوگ تمہارے ساتھ ہی واپس چلے چلتے ہیں جب شادی کی تاریخ طے ہوگی دوبارہ آجائیں گے لیکن میں اب تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔“ وہ بات جس کے لیے جمال نے اس کی مہینوں خوشامد کی تھی بے ساختہ ہی اس کے لبوں پر آئی۔ چنانچہ اس کا دم تھا یا حقیقت جمال کے چہرے پر ایک سایہ سا گزرا اس نے جلی بھر کے لیے محسوس کیا۔

”ماں! بھئی ہو اتنی مشکل سے تو سب کچھ سہل ہوا ہے ابھی بھلی یہاں رہ رہی ہو سب لوگ بھی قریب ہیں“

بھرا ہوا گھر ہے اس طرح بند کر کے چھوڑنا بہت بڑی بے وقوفی ہوگی۔“ جمال کے جواز کتنے بھی منطقی تھے سلطانہ کو

اس کی مخالفت بڑی عجیب سی لگی۔

”میں تو سمجھ رہی کی کہ تم خوش ہو گے۔“ آخر کو اس نے کہہ ہی دیا۔

”میں ضرور خوش ہوتا اگر ہم نے یہ ساری سیٹنگ

اپنی مشکلوں سے نہ کی ہوئی اور پھر ہم کون سا دور ہیں جب چاہو تم آسکتی ہو میں آسکتا ہوں۔“

”مگر میں تو پورے سال میں ایک بار بھی نہیں جاسکی واپس۔“ وہ کہتا چاہ رہی تھی مگر جمال کا فون پھر سے بج اٹھا۔ اس بار وہ فون کے لکڑے سے باہر نکل گیا۔

وہ لوگ سب بہت دن بعد آکھٹے ہوئے تھے اس لیے یہ بے ضروری مدخلت سلطانہ کو تھوڑی سی ناگوار

کر دی۔

”تو یہ تمہارے بابا کا فون کچھ زیادہ ہی بڑی

نہیں رہنے لگا ہے۔“ وہ شربیل اور ندا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

”پارو آتی ہوں گی ان ہی کا فون سب سے زیادہ آتا ہے۔“ شربیل بے پروائی سے کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

”پارو آئی!“ سلطانہ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے زیر لب دہرایا۔ وہاں بہت سے انگڑیاں بہت سی

آئیں جن کے فونز آتے ہی رستے سے گھر میں آنا موری طور پر پہچان میں نہیں آ رہا تھا۔ ملازم کھانا تیار ہونے کی

اطلاع لے آیا تھا سو وہ ٹیبل لگوانے کے لیے اٹھ گئی۔ آگے مصروفیت کا سلسلہ بے حد دراز تھا۔ سب سے

پہلے جبکہ وہ لوگ کھانے کی میز پر ہی تھے بڑی آپا جمال سے ملنے کے لیے چلی آئیں۔ کو جب سے انہوں نے

بے مثال رکھائی برتی تھی سلطانہ کو بھی ان سے کوئی خاص محبت محروم کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں

ہوئی تھی مگر پھر بھی دنیا داری بھائی ہی پڑ جاتی تھی۔

دوسرے بھائی بہنوں کے فون آتے رہے اور شام کو

جمال اسپتال چلا گیا۔ کمال بھائی کی طبیعت پھر سے

خراب ہوئی تھی وہ ابھی خاصی دیر سے آیا آج جس طرح اس نے تجدید محبت کی تھی اس کے بعد سلطانہ نے

اپریل 2007ء



دلکش

اپنی فائل مکمل کیجیے

صرف 100 روپے میں

اپنی پسند اور ضرورت کے پچھلے 5 شمارے رجسٹرڈ ڈاک سے گھر بیٹھے حاصل کریں

دلکش

کا اجرا اپریل 2006ء سے ہوا۔ اگر آپ پچھلے شمارے حاصل کرنا چاہیں تو اپنی پسند کے کوئی بھی 5 شمارے (دستیابی سے مشروط)

صرف 100 روپے کا ڈرافٹ یا منی آرڈر ادارے کے نام اور پتے پر بھیج کر رجسٹرڈ ڈاک سے اپنے دروازے پر وصول کریں۔

یہ دعائیہ اسکیم محدود مدت کے لیے ہے۔

اس سے آج ہی فائدہ اٹھائیں۔

ڈرافٹ / منی آرڈر اس پتے پر بھیجوائیں

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز
63 فریڈ ایڈیشن، مین کوڑی روڈ، ڈیپس بلاؤنگ، انارکلی، لاہور
میری معلومات کیلئے: فون: 5802552

اپریل 2007ء

211

ماہنامہ پاکیزہ

پارو اچھی بہت ہیں۔" اپنی بات کہہ کر وہ کانٹیں تیزی سے گاڑی آگے بڑھائے گیا۔

سلطانہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبی واپس اندر آئی حالانکہ یہ بے ضروری تعریف جو ابھی جمال کی کر کے گیا تھا اس والہانہ محبت کے آگے کچھ بھی نہیں تھی جس کا انہار وہ اس کے ساتھ شادی کو اسنے سارے سال گزر جانے کے بعد بھی کرتا تھا مگر اس کی دوراندیشی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی تھی آخر کیوں ایک بار بھی جمال نے اس سے خود ماہ پارہ عرف پارو کا ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا لاؤج میں ابھی شریں تیل آکر بیٹھا تھا ابھی خاصی انتظار میں اس نے لے کر جب وہ وہاں سے اٹھی تو حقیقتاً فکرمند تھی۔

پارو آئی بس کچھ ہیں، دلکش ہیں، کھانا بے حد اچھا بناتی ہیں اور سب سے بڑھ کر پاپا کی بہترین دوست تھیں۔ ہوسکتا تھا کہ یہ سب یوں ہی نازل زندگی کا ایک حصہ ہو کر پھر بھی جتنا طوفان ہوتا ہی چاہیے تھا۔

"مردوں کی ذات کا کوئی پھر دسا نہیں۔" سلطانہ کا اس پرانی تیسوری پر پورا پورا یقین تھا۔ بہت دنوں سے اپنی پریشانی میں گھر کر وہ خود سے بہت ساری غفلت برت چکی تھی۔ پارو کی خوبیاں سن کر اسے سب سے پہلے

اپنی ہی بے وفائی یاد آتی تو وہ نورانی بیوی پارو جانے کا پروردگار بنا بیٹھی آج گھر پر وہ بھی سوتی ملازم سے ٹیکس منگوا کر سیدی اپنے فیورٹ بیوی پارو کی کئی ٹرینٹ تھے جو ضروری تھے اچھا خاصا ٹائم گزرا رہے تھے

بعد خود کو آئینے میں دیکھ کر اسے خود بڑا خوشگوار احساس ہوا اور جب وہ وہاں سے نکل رہی تھی تو خود بخود ایک پروردگار ملے یا گیا۔ اسپتال کی مخصوص فائل میں بھیجی تھا مگر قدم رکھتے ہی اسے کمال بھائی کا اسٹریچر

کر بڑور کے دوسرے سرے پر مڑنا نظر آ گیا تھا اس کے پیچھے یا کینیں بھائی اور فراز بھی تھے۔ شاید انہیں کسی ٹیمٹ یا الٹراساؤنڈ کے لیے لے جایا جا رہا تھا۔ شاید

اس وقت اس کا یہاں آنا فضول ہی ثابت ہوا تھا۔ ٹھوڑی سی مایوسی کے ساتھ سلطانہ نے سوچا مگر اب جب یہاں آئی تھی تو اپنی شکل دکھانے بغیر جانا بے وقوفی

میں وہ ہمیشہ ایک ایسا نکلا ضرور ثابتی تھی جس کے بعد جمال کی نگاہ میں اس کی اور خود اپنی بھی قدر و قیمت کئی گنا بڑھ جاتی تھی "حالانکہ وہ لوگ بھی تمہارے یا تمہارے بچوں کے لیے اس طرح نہیں سوچتے، درنہرازا کیوں شروت باجی کا بیٹا کیوں نہیں اس کے لیے تو میں نے خود نہیں کہا تھا مگر ان کی مرضی نہیں ہے یہ صاف ظاہر ہو رہا ہے۔" ان سب کی مخالفت میں وہ ایک لمبی تقریر ابھی کر سکتی تھی مگر جمال کو جلدی تھی۔

"مجھے چند دوتوں سے ملنا ہے دوپہر کے کھانے پر میرا انتظار مت کرنا۔" وہ کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

سلطانہ نے الطیمان کا سانس لیا "شکر ہے کہ بات جلد ہی جمال کی کچھ میں آگئی تھی ورنہ آج کل بہر حال وہ بار بار بھائی اور بہنوں کی محنت میں ڈوبنے لگتا تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ سائید ٹیکل پر رکے جمال کے موبائل پر پڑی جسے وہ سینیں بھول کر چارہا تھا۔ سلطانہ جلدی سے موبائل اٹھا کر باہر کی طرف لپکی لاؤج سے نکلے ہوئے اس نے یوں ہی سرسری ہی نگاہ ڈالی دوس کا لڑھکیا دوتوں کی دوتوں مد پارہ کے نام کی تھیں۔

پارو آئی! سلطانہ کو شریں تیل کی بات یاد آئی جمال ابھی پورج میں ہی کھڑا تھا اسے آتا دیکھ کر اسی طرف دیکھنے لگا۔

"جمال یہ ماہ پارہ کون ہیں۔" اس بار وہ پوچھنا بالکل نہیں بھولی۔

"پڑوس میں رہتی ہیں، بہت اچھی خاتون ہیں، تمہارے یہاں آنے کے بعد ہم سے پچھلے فلور پر آئی ہیں۔" جلدی جلدی بتا کر وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا۔

"شادی شدہ ہیں۔" اس کا تجسس بڑھنے لگا۔ "ان کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے کئی سال پہلے۔" جمال نے گاڑی اسٹارٹ کر لی مگر اس کے پاس چند اور اہم سوال بھی باقی تھے۔

"کیا بہت خوبصورت ہیں؟"

جمال کے لبوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی "جتنی تمہاری نظر میں خوبصورتی کا معیار کیا ہے بہر حال نہیں تمہاری نظر میں خوبصورتی کا معیار کیا ہے بہر حال

اپریل 2007ء

210

ماہنامہ پاکیزہ

بھی خود کو برا مانانے سے باز رہی رکھا۔ "سلطانہ! اسے آئے چوتھا دن تھا جب جمال نے ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑے بال بناتے ہوئے اسے بطور خاص کچھ کہنا چاہا۔

"ہوں!" وہ اپنے برس میں سے ڈرائی کلیئر کی رسید ڈھونڈتے ہوئے دھستانی سے اتارتی کہہ سکی۔

"میری ایک بات مانو گی تم، پلیز....." وہ اکثر ہی اس طرح لیا جت سے بات کرتا تھا اور سلطانہ کو ہمیشہ ہی بڑا اچھا لگتا سوتیہ ساخند ہی پس پڑی۔

"درخواست کرو، ممکن ہے ہم غور فرمائیں۔" اس کی کھوٹی ہوئی رسید لٹی تھی سو ڈاؤر بھی اچھا ہو گیا تھا۔ "کمال بھائی کے ہاں ردا کا رشتہ کر دینے میں کیا

برائی ہے ان سے بڑھ کر کون اپنا ہے ہمارا۔" وہ پوری طرح گھوم کر جمال کے سامنے آکھڑی ہوئی، چہرے پر پچھلی خوشگواریت یک دم ہی خبیثی میں بدل گئی۔

"تم سے کمال بھائی نے کہا ہے؟" "نہیں وہ بے چارے اس حال میں کیا کہیں گے" میرا خود دل چاہتا ہے کہ..... اور ردا اور فراز بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"دماغ خراب ہے ردا کا تو" اپنے اچھے برے کی کوئی پہچان ہے اسے اب تک پیش میں ملی ہے اس لیے پیسے کی اہمیت کا اندازہ نہیں ہے چند دنوں میں عقل ٹھکانے آجائے گی۔" جو کچھ بھی وہ اپنی بیٹی کو کہہ رہی تھی اس میں بین السطور ساری تضحیک ساری نا پسندیدگی کمال

بھائی اور ان کے گھرانے کے لیے تھی۔ ساری عمر اس نے جمال کے سامنے بھی کھلے اور بھی ڈھکے الفاظ میں اس کی بہنوں کے بارے میں یا کمال بھائی کے بارے میں جو چاہا تھا کہا تھا بہت مدت سے جمال اس کی آنکھ سے سارے رشتوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سب کے سب

لاچکی کم حیثیت اور جمال کے ساتھ نا انصافی کرنے والے تھے چونکہ سلطانہ نے ہمیشہ ایسے ہی کہا تھا اس لیے جمال کے نزدیک وہ سب ہمیشہ ایسے ہی رہے۔

"مجھے پتا ہے کہ تم ان سب سے کتنی محبت کرتے ہو اور میں بھی کسی کی دشمن نہیں ہوں۔" اپنی ساری گفتگو

210

ہمدردی کرنے نہیں آتا۔“ جمال کی شکستہ سی آواز کے ساتھ اس کی بہنوں کی ملی جلی آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں۔ مظلوم نہیں وہ اس کی تردید کر رہی تھیں یا تصدیق! سلطانہ کو اس سے دلچسپی بھی نہیں تھی اپنی خوش قسمتی اور کامیابی کے بارے میں جو گہرا یقین ہمیشہ اس کے پاس رہتا تھا بہت ہمت کر کے اس نے اس کا کھنٹا ہوا سرا پکڑنا چاہا۔

”شاید جمال کو کوئی غلط فہمی ہو گئی تھی اس کے بارے میں یقیناً اس کی بہنوں نے کان بھرے ہیں! یہاں شفت ہونا ہی سب سے بڑی غلطی تھی اصل میں۔“ بہت ساری تسلیاں اس نے بیک وقت خود کو دینا چاہیں۔

”بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ ساری زندگی ہی اتنی بڑی غلط فہمی کا شکار رہی۔“ زرد ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس نے قریبی دیوار کا سہارا لیا، قریب سے گزرتی دوسروں نے حلیے سے بے حد خوشحال نظر آتی اس عورت کو عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔

”زندگی کے بچے مجھے سال اب اگر میں اپنی خوشی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں تو یہ میرا حق ہے! سلطانہ تو ویسے بھی اپنی مرضی سے پاکستان آئی ہے! ساری عمر کی کمائی اس کے حوالے کر چکا ہوں اب اور کچھ نہیں کر سکتا۔“ جمال کی آواز سے ساری شکستہ بدترتج حیرت انگیز طور پر غائب ہو چکی تھی! اتنا باث دار مضبوط لہجہ اس جیسے کمزور شخص کا اس سے پہلے کبھی بھی نہیں تھا۔

”ماہ پارہ بہت اچھی عورت ہے، مخلص اور سادہ دل! ہم دونوں ایک ساتھ بہت خوش رہیں گے اور ویسے بھی ہم لوگ تو وہاں ہوں گے! میں بھی کبھار آتا جاتا!۔۔۔۔۔ جمال! پارہ! شرجیل! کمال بھائی! فراز!۔۔۔۔۔ ایک ساتھ کتنے ہی چہرے اور نام سلطانہ کی نگاہوں کے سامنے تیزی سے گزرتے ہوئے۔ نیچے اور نیچے۔۔۔۔۔ مستقل نیچے گرتے رہنے کا جان لیوا سا احساس! یک پہ یک ہی جیسے اسے یقین سا ہونے لگا کہ اب وہ ساری زندگی اسی احساس کے ساتھ جیے گی۔



تھی! ویسے بھی اس وقت وہ یہاں صرف اسی لیے آئی تھی کہ جمال کو احساس ہو کہ اسے بھی کمال بھائی کی کتنی فکر ہے۔ تیز قدموں سے چلتی ہوئی وہ اس ٹھنڈے نیم روشن کوریڈور سے گزرتی ہوئی تیسرے نمبر کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ کمال بھائی تیار داروں کے بارے میں بے حد خود کفیل ثابت ہو رہے تھے! اپنے بچوں اور بیوی کے علاوہ انہیں بہنوں اور ان کی اولاد کی بھی ہمدردی خدمت حاصل تھی۔ اس وقت بھی اندر سے ثروت باجی کے بولنے کی آواز آرہی تھی اور سلطانہ بے دھڑک دروازہ کھول کر اندر چلی گئی تھی اگر اس نے ان کی گہی بات میں اپنا نام نہیں سنا ہوتا۔

”سلطانہ ماں ہے تمہارے بچوں کی اور اب جب اتنا وقت گزار ہی لیا تو پھر یہ بے وقوفی کرنا کیا ضروری ہے۔“ ان کا مخاطب کوئی اور نہیں جمال ہی تھا۔ سلطانہ نے بنا کسی تردد کے جانا۔ وہ بھی شاید اپنے دوستوں سے ملنے کے بعد یہاں چلا آیا تھا مگر اس وقت وہ اس بے وقوفی کو سننے کے لیے جو ثروت باجی کو پتا تھی مگر اسے نہیں! بھلا جمال کب سے اپنی بہن کے ساتھ اتنا کلوز ہوا تھا کہ انہیں اس کی خبر زیادہ رہنے لگی تھی؟

”میں تنگ آ گیا! تھک گیا ہوں ثروت باجی اس عورت کے ساتھ ڈراما کرتے کرتے شروع کے چند سال ضرور ایسے تھے جب میں واقعی سلطانہ کی ہر بات کو آنکھیں بند کر کے مانتا تھا مگر وہ تو اتنی تنگ دل اور خود غرض عورت ہے کہ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں! میں نے صرف اپنے بچوں کی خاطر یہ زہر زندگی بھر پلایا ہے ورنہ گھر جہنم بن جاتا۔“ باہر سلطانہ دم بخود کھڑی تھی! الفاظ تھے کہ نو کیلے پتھر! تھک! تھک! تھک! سلطانہ کا ہاتھ بے ساختہ ہی اپنے ماتھے پر آیا۔ یہ تھی اس کی اوقات جو اس کے محبوب شوہر کی زبانی آشکار ہو رہی تھی وہ بھی ان کے سامنے جن کے آگے وہ ہمیشہ فخر و غرور سے تکی گردن لے کر آتی تھی۔

”عورتوں کی مظلومیت کا رونا تو سدا ہی سنا گیا ہے! کتنے ہی شریف مردوں کی زندگیاں بس یوں ہی ایک مجبوری کا سودا بجاتے ہوئے گزرتی ہیں! ان سے کوئی